النحو في الكلام كالملح في الطعام

خلاصة الجامي

شرح اردو

شرح ملا جامی



- خلاصۃ الجامی وفاق کے نصاب کے مطابق تین مقاصد اور توابع پر مشتمل جدید شرح جو بقدر ضرورت عبارت کی تشریح اور اہم سوال جواب
- زیادہ قیل وقال سے پاک تاکہ پڑھنے والا الجھن محسوس نہ کرے مشکل مقامات کا آسان اور تسلی بخش حل
- ملا جامی کی مفصل مباحث کی آسان اور مختصر ترین خلاصہ تاکہ پڑھنے والا اس کو سامنے رکھ کر آسانی سے کتاب کو حل کریں
- ہر مقصد کے خلاصہ کے ساتھ ساتھ نحویین حضرات کی ترجیحات کے مدلل اور مسکت جوابات

تالیف

مولانا مفتی محب اللہ محب کاکڑ

استاذ جامعہ کنز العلوم لانڈھی کراچی

تقریظ

حضرت مولانا کمال الدین المسترشد صاحب

شیخ الحدیث ورئیس دار الافتاء جامعہ مخزن العلوم بنارس کراچی

مکتبہ عمر فاروق

النَّحو فی الکلام کَالمِلح فِی الطَّعَامِ

خُلاصةُ الجامی

شرح اردو

شرح مُلاّ جامی

☆ خلاصۃ الجامی وفاق کے نصاب کے مطابق تین مقاصد اور توابع پر مشتمل جدید شرح جو بقدر ضرورت عبارت کی تشریح اور اہم سوال و جواب۔

☆ زیادہ قیل وقال سے پاک تاکہ پڑھنے والے اُلجھن محسوس نہ کریں۔

☆ مشکل مقامات کا آسان اور تسلی بخش حل۔

☆ ملا جامی کی مفصل مباحث کی آسان و مختصر ترین خلاصہ تاکہ پڑھنے والے اس کو سامنے رکھ کر آسانی سے کتاب کو حل کریں۔

☆ ہر مقصد کے خلاصہ کے ساتھ ساتھ نحویین حضرات کی ترجیحات کے مدلل اور مُسکت جوابات۔

تالیف

حضرت مولانا مفتی محبّ اللہ محبّ کاکڑ

استاذ جامعہ کنز العلوم کراچی

توحید آباد کالونی (بڈی ہل) نزد لانڈھی ریلوے اسٹیشن

رائے گرامی

حضرت مولانا کمال الدین المسترشد صاحب

شیخ الحدیث و رئیس دار الافتاء جامعہ مخزن العلوم بنارس کراچی

ناشر

مکتبہ عمر فاروق

شاہ فیصل کالونی نمبر 4 کراچی نمبر 25

خلاصۃ الجامی شرح اردو **شرح ملّا جامی**

تالیف...... حضرت مولانا مفتی محب اللہ محب کاکڑ زید مجدہ

اشاعت سوم...... ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ، نومبر 2012ء

تعداد............ ۱۱۰۰

کمپوزنگ...... مولانا کبیر احمد نور 0300-2886101

ناشر.......... فیاض احمد، فون نمبر 021-4594144، 0334-3432345

مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی نمبر 4 کراچی

فہرست مضامین

بحث التحذیر

بحث المفعول فیه

بحث المفعول له

بحث المفعول معه

بحث الحال

بحث التمیز

الانتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو اپنے اُن اسلاف اور اُن اکابر علماء کرام کے نام کرتا ہوں، جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام کی تبلیغ وترویج کے لئے وقف کردیں اور جنہوں نے اپنی جانیں قربان کرکے اسلام کے گلشن کو رنگت بخشی۔

اور جن کی کتب سے استفادہ کرکے میں اس قابل ہوا کہ میں اس رسالہ کو تحریر کروں۔

اللھم رزقنی اتباعھم

بندہ محبّ اللہ محبّ کاکڑ

باسمہٖ تعالیٰ

رائے گرامی

رأس الاتقیاء استاذ العلماء ولی کامل محسن ومربی الشیخ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ شیخ صاحب مدظلہ العالی

شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء جامعہ اسلامیہ کلفٹن

مہتمم مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ صرافہ بازار لی مارکیٹ کراچی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم.

امابعد! شرح جامی کی اہمیت اور مقبولیت ایک ایسی حقیقت ہے، جس کے بارے میں اختلاف نہیں کیا جاسکتا، عالمِ اسلام کا شاید ہی کوئی ایسا مدرسہ ہوگا جہاں یہ کتاب داخل نصاب نہ ہولیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اب تک اس مقبول عالم کتاب پر اردوزبان میں اس درجہ کا کام نہیں ہوا تھا کہ علماء اور طلباء کے لئے یکساں طور پر مفید ہو اور تمام پہلوؤں کے اعتبار سے پیاس کو بجھائے یہ خدمت اللہ رب العزت نے مفتی محب اللہ کاکڑ کے مقدر میں کردی ہے کہ کتاب ''خلاصۃ الجامی'' کے تمام پہلوؤں کے آسان اور اختصار کے ساتھ سمجھانے والا یہ ایک نیا تحفہ ہے۔

انشاءاللہ! اہل علم اس محنت وکاوش کی قدر کریں گے اور یہ مفتی محب اللہ کاکڑ صاحب کا صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

حبیب اللہ شیخ

۱۳ رمحرم الحرام ۱۴۳۰ھ

باسمہٖ تعالیٰ

رائے گرامی

شیخ المعقول والمنقول استاذ العلماء المحترم

حضرت مولانا فضل قیوم صاحب مدظلہ العالی

شیخ الحدیث جامعہ قرطبہ شرین جناح کالونی کلفٹن کراچی

سابق استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ کلفٹن

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم.

امابعد!

علم نحو کی اہمیت اور تمام علوم اسلامیہ کے لئے اس کی ضرورت وافادیت اظہر من الشمس ہے۔ البتہ علم نحو میں تدوین شدہ کتابوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان کا سمجھنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ہر زمانے میں اس کی مزاج کے مطابق علماء نے ان کتابوں کے سمجھنے اور سمجھانے کے مختلف طریقوں سے کوششیں کی ہیں۔ مثلاً ایک دورہ وہ تھا جس میں طلبہ، قیل قلنا کو زیادہ پسند کرتے تھے اور طول کے دل دادہ تھے اور آج کل کے دور یہ ہے کہ جس میں کثرت اعتراضات اور طول سے پرہیز کرتے ہیں اور اختصار کے در پے ہیں۔ تو چونکہ ''خلاصۃ الجامی'' پر یہ تعریف سچا آرہا ہے جو محترم ساتھی مفتی محب اللہ کاکڑ نے اس عصر و دور کے مزاج شناسی فرمایا ہے۔

بندہ نے جب اس مجموعہ کو دیکھا تو عزیز مؤلف نے یقیناً محنت شاقہ سے اس مجموعہ کو تیار کیا ہے اور بلاشبہ متعدد مباحث کو آسان کر دیا ہے۔ گہرے سمندروں میں غوطے لگا کر یہ خلاصہ حاصل کیا گیا ہے۔

عزیز مولف نے اس مجموعہ میں اہم اور ضروری مباحث درج کئے ہیں ۔ مثلاً حل الخلاصۃ ،حل الترکیب جو کہ ذی استعداد طلبہ کے لئے عموماً اور باذوق محنتی اساتذہ کرام کے لئے خصوصاً قابل قدر تحفہ ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ عزیز مؤلف کو مزید دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائیں۔ آمین

فضل قیوم غفر اللہ لہ

۱۱؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱، بمطابق ۲۰۱۰ء

باسمہٖ تعالیٰ

رائے گرامی

عظیم محسن و مشفق ومربی استاذ العلماء ولی کامل عالم باعمل

حضرت مولانا مفتی ابوذر محی الدین صاحب مدظلہ العالی

ناظم تعلیمات جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی، امام وخطیب جامع مسجد اقصیٰ کلفٹن

نحمده ونصلي على رسوله الكريم.

امابعد! عربی زبان کی اہمیت اور فضیلت مسلم ہے اور مسلمانوں کے لئے عربی زبان سے تعلق ان کے مذہبی لگاؤ کی عکاسی کرتا ہے، اور عربی زبان میں صرف ونحو بنیادی علوم کی حیثیت رکھتے ہیں، اور بلاشبہ صرف ونحو میں مہارت عربی زبان کو سمجھنے کے لئے بنیادی فراہم کرتے ہیں۔

دینی مدارس کے نصابِ تعلیم میں صرف ونحو میں مہارت کا حصول علوم دینیہ کے لئے نہایت ہی اہمیت دی جاتی ہے اور نحو کی مختلف کتب نصاب میں شامل ہیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہمیت کی حامل کتاب ''شرح جامی'' کے نام سے مشہور ہے اور جن کا شرح ''خلاصۃ الجامی'' ہمارے محبوب دوست مولانا مفتی محبّ اللہ کاکڑ صاحب نے نہایت ہی سہل اور دلنشیں انداز میں شرح جامی کی مشکل اور معرکۃ الآراء مباحث کو بیان کیا ہے، جس کے ذریعے طلباء یقیناً ان مباحث کو بہتر انداز میں سمجھ سکیں گے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو افادۂ عام کا ذریعہ فرمائے اور ان کی اس اور دیگر تصانیف کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور انہیں علوم دینیہ کی خدمت جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

والسلام

مفتی ابوذر محی الدین

۱۳/محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

رائے گرامی

حضرت مولانا کمال الدین المسترشد صاحب

شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء جامعہ مخزن العلوم بنارس کراچی

حامِدًا ومصلیًا ومُسلمًا امابعد!

احقر نے کتاب خلاصۃ الجامی مؤلفہ عزیز محترم مفتی محبّ اللہ محبّ کاکڑ زاداللہ علومہ کو مختلف مقامات سے دیکھا دیکھنے کے بعد موصوف کے لئے دل سے دُعا نکلی کہ آج کل برقی دور کے تناسب سے اس کی ضرورت تھی کہ طویل مباحث کوسمیٹ کر آسان عام فہم اور خلاصہ کی شکل میں طلبہ کے سامنے پیش کیا جائے۔

موصوف فاضل نوجوان کے علمی کارنامے شیوخ کے لئے باعث رشک ہیں۔ "اللھم زد فزد وتقبل ثم تقبل" موصوف نے یہ کام بڑی محنت سے کیا ہے کہ کسی کتاب یا فن کا خلاصہ نکال کر کتابی شکل میں پیش کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔

اللہ عزوجل سے دُعا ہے کہ موصوف کے زور قلم کو اور بڑھائے اور ان کی اس محنت کو شرف قبولیت بخشے اور طلبہ کے لئے اسے زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔ آمین ثم آمین

کمال الدین المسترشد

۶/رجمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

اظہار تشکر

میں اس تحریر کی تکمیل پر دل کی انتہائی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں اپنے والدین اور اپنے اُن اساتذہ کرام کا جن کی پُر خلوص دعاؤں محبتوں اور انتھک کوششوں کی بدولت اور اپنے اُن ساتھیوں وشاگردوں کے پُر خلوص مشوروں ودیگر اعانت کی بدولت میں اس نازک ترین موضوع پر قلم وقرطاس اُٹھانے کے قابل بنا۔

اللھم ربّ ارحمھما کما ربیٰنی صغیرا

راقم الحروف

بندہ محب اللہ محب کاکڑ

پیش لفظ

الحمد لله الواحد القهار والصلوٰة والسلام علی الرسول المختار وعلی اٰلہٖ واصحابه الابرار وعلٰی جمیع المؤمنین اخیار.

اما بعد!

''پروردگار عالم اپنے دین کا کام ایک گناہ گار بندہ سے بھی لے لیتا ہے۔'' (الحدیث)

اس کی واضح مثال آپ کے سامنے ہے کہ مجھ جیسے گناہ گار وعیب دار انسان سے خدائے لم یزل نے اتنا بڑا کام لے لیا۔ میرے محترم قارئین کرام حقیقت حال یہ ہے کہ میں علم وعمل دونوں سے نابلد ہوں اور مجھ جیسے انسان سے اتنا بڑا کام ہوجانا یقیناً بہت ہی بڑی بات ہے لیکن یہ بات بھی مجرب ہے کہ اساتذہ کرام کے دست شفقت اور دعاؤں سے انسان کامیابی سے ضرور ہم کنار ہوجاتا ہے۔ ابتداء میں جب یہ تحریر میں نے اساتذہ کرام کے سامنے پیش کی تو بالخصوص حضرت مولانا کمال الدین المسترشد صاحب مؤلف کتاب تشریحات ترمذی کی حوصلہ افزائی اور دعاؤں نے مجھے من جدو جُدَکا مصداق بنادیا۔

محترم قارئین کرام علوم نحویہ کے نظم ومعانی پر علماء اسلام نے مختلف جہات اور مختلف انداز میں کام کیا ہے لیکن ایسے رسالہ کی ضرورت محسوس ہوئی کہ فہم کے اعتبار سے انتہائی آسان اور اس کو یاد کرنے میں دقت نہ ہو اور ایسے نحوی مسائل پر مشتمل ہو جس کی طالب علم کے لئے ہر وقت میں سخت ضرورت پڑتی ہو۔

قرآن وسنت اور علوم عربیہ کو حاصل کرنے کے لئے صرف ونحو بنیاد اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اسی لئے کہا گیا ہے '' الصرف ام العلوم والنحو ابوها'' جو

خدمت اوراعزاز واکرام ماں باپ کا ہوتا ہےتو علوم عربیہ میں صرف ونحواسی اعزاز واکرام کے مستحق ہیں۔

اگر یہ کمزور ہیں تو باقی علوم پڑھنے میں لطف نہیں آتا وہ پھیکے پھیکے محسوس ہوتے ہیں۔ جیسے کھانا بغیر نمک کےاسی لئے مشہور مقولہ ہے۔

"النحو فی الکلام کالملح فی الطعام"

محترم قارئین: بندہ نے بھی حتی الامکان مختصر خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ نظر ضرور رہا کہ کہیں تھامے رہے اختصار کا دامن۔ لہٰذا تمام قارئین کرام سے متأدبانہ گزارش ہے کہ خلاصۃ الجامی میں اگر کہیں کمی بیشی نظر آئے تو وہ بندے کی کم فہمی یا قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ تو (چونکہ میں انسان ہوں اورانسان کی شناخت ہی غلطی سے ہوتی ہے) ایسے مواقع پر بندہ کوتحریزاً مطلع کیا جائے تاکہ آئندہ طباعت میں تصحیح ہوسکے۔

ایں دعاازمن واز جملہ جہاں آمین باد(جزاکم اللّٰہ فی الدارین)

بندہ محبّ اللہ محب کاکڑ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

رب یسر علی هذا الکتاب وتمم بالخیر یافتاح وبِک نستعین

بیت

نوشتم تاج بسم الله برسر زبسم الله بهتر نیست چیزے

الحمدُ للّٰہِ الذی جعل الانسان بالکلمة والکلام وخصّ النحویین بمعرفة احوالهما والاشمام والصلوة علی مَنْ اَعْلٰی سَلَالِم الاسلام: وعلی اٰله واصحابه القابضین الازمام، وبعدفلما التمس منی بعضُ التلامیذ العزیز حاشیةً سریعةً فی الفهم وجیزةً فی العبارة جامعةً لحواشی المتقدمین والمتاخرین بحیث لاتغادر صغیرةً ولاکبیرةً لشرح الجامی فشرعتُ فیها و سمیتها بخلاصة الجامی مُستعیناً باللّٰہ المعُین۔

المرفوعات

مصنفؒ مقاصد ثلاثہ اور توابع کو بیان کررہے ہیں اور وہ یہ ہیں۔
مرفوعات، منصوبات، مجرورات۔

مرفوعات میں آٹھ چیزیں مطلوب ہیں:

(۱) مرفوعات کی تقدیم باقی دو قسموں پر۔ (۲) مرفوعات پر اعراب۔(۳)

مرفوعات کی اقسام۔ (۴) مرفوعات جمع ہے مرفوع کی یا مرفوعۃ کی۔ (۵) مرفوع کی تعریف۔ (۶) علم کے کتنے معانی ہیں۔ (۷) اشتمال کی اقسام اور مراد کیا ہے۔ (۸) رفع محلی کا مطلب کیا ہے؟

(۱) پہلی بات مرفوعات کی تقدیم باقی دو قسموں پر:

مرفوعات کو باقی دو قسموں پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ مرفوعات عمدہ ہیں، کیونکہ مرفوعات اکثر مسند الیہ ہوتے ہیں اور مسند الیہ کلام میں عمدہ ہے تو عمدہ کو مقدم ہونا چاہئے۔

(۲) دوسری بات مرفوعات پر اعراب:

مرفوعات پر رفع، نصب وجزم تینوں طرح کا اعراب پڑھا جاسکتا ہے۔(۱) رفع پڑھنے کی پھر تین صورتیں ہیں۔(۱) مرفوعات مبتداء ہوگا اور خبر ھذہٖ محذوف ہوگی تو تقدیری عبارت المرفوعات ھٰذہٖ (۲) مرفوعات خبر ہوگی مبتداء محذوف ہوگا تقدیر عبارت ای ھٰذِہٖ المرفوعات. (۳) مرفوعات مبتداء ہوگا اور خبر جملہ ہوگی جو آگے آرہا ہے **قولہ ھو ما اشتمل علی علم الفاعلیۃ**۔

(۲) منصوب پڑھنے کی صورت میں اس کو مفعول قرار دیا جائے گا، خذ یا اشرع فعل کی تقدیر عبارت یہ ہوگی خذ المرفوعات یا اشرع المرفوعات۔

(۳) جزم کی صورت میں اس کو بمنزلہ فصل قرار دیا جائے گا اور لفظ فصل میں کوئی اعراب جاری نہیں ہوتا بلکہ ساکن رہے گا۔

(۳) تیسری بات مرفوعات کی اقسام:

مرفوعات کل آٹھ ہیں بالاستقراء وجہ الضبط یہ ہے۔

ان عامل الاسم المرفوع لایخلوا اِمّا معنویٌّ واِمّا لفظِیٌّ فان کان الاول فالمعمول لایخلوا اِمّا مسند الیہ او مسنداً بہ فالاول ھو القسم الاول من المبتداء . وان کان مسندًا بہ فایضاً لایخلوا اِمّا ان یشترط فیہ ان یکون رافعًا للاسم الظاھر اولا فالاول ھو

القسم الثانی من المبتداء والثانی الخبر وان کان لفظیًا لایخلوا اما ان یکون فِعلاً او شبهه او حرفًا فالاول ایضاً لایخلوا اِمّا ان یکون قائمًا بالاسم او اسم معمول فالاول هو الفاعل والثانی مفعول مالم یسم فاعله وان کان معرّفًا فمعموله لایخلوا اِمّا مسند الیه او مسنداً به فالاول اِمّا فی کلامٍ موجب او غیر موجب فالاول اسم الافعال الناقصه سوی لیس والثانی اسم لیس واسم ما ولاالمشبهتین بلیس وان کان مسنداً به فایضاً لایخلوا اِمّا فی کلام موجب او غیر موجب فالاول خبر الحروف المشبهة بالفعل والثانی خبر لا التی لنفی الجنس۔

(۴) چوتھی بات مرفوعات مرفوع کی جمع ہے یا مرفوعۃ کی:

المرفوعات جمع المرفوع فیه اشارة الی الامرین اس عبارت میں دو چیزیں قابل ذکر ہیں۔ (۱) سوال کا جواب یہ ہے کہ مرفوعات مرفوع کی جمع ہے یا مرفوعۃ کی۔ (۲) ھو ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

مرفوعات مرفوع کی جمع ہے یا مرفوعۃ کی یہ دونوں صحیح نہیں ہے۔

پہلی صورت میں تو اس لئے صحیح نہیں ہے کہ مرفوعات جمع مؤنث سالم ہے اور مفرد مذکر ہے حالانکہ جمع اور مفرد دونوں میں مطابقت ہوتی ہے۔

دوسری صورت بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مرفوعات منصوبات اور مجرورات اسماء کی صفتیں ہیں اور اسماء مذکر ہے تو مذکر کی صفت مذکر آتا ہے نہ کہ مؤنث۔

دوسری صورت میں:

ھو ضمیر کا مرجع مرفوعات بنانا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ھو ضمیر واحد مذکر ہے اور مرجع جمع مؤنث سالم ہے لہٰذا راجع اور مرجع میں مطابقت نہیں پائی گئی اور اگر ھو ضمیر کا مرجع مرفوع بنادیں تو وہ مذکور نہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ جو مذکور ہے وہ مرجع نہیں بن سکتا جو مرجع بن سکتا ہے وہ مذکور نہیں۔

(۱) پہلی صورت کا جواب:

پہلی صورت کا جواب یہ ہے کہ مرفوعات مرفوعٌ کی جمع ہے نہ کہ مرفوعۃٌ کی اس لئے کہ مرفوعٌ اسم کی صفت ہے اور لفظ اسم غیر ذوالعقول میں سے ہے اور غیر ذوالعقول کی صفت کی جمع الف و تاء کے ساتھ آتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مدعیٰ مرکب ہے دو جزئین سے۔

(۱) ایجابی۔ (۲) سلبی۔ ایجابی یہ ہے کہ مرفوعات جمع ہے مرفوع کی۔ سلبی یہ ہے کہ مرفوعات مرفوعۃ کی جمع نہیں ہے۔

جزء سلبی کا اشارہ ہے اس قول کی طرف **لان موصوفه الاسم وھو مذکر لایعقل** کہ مرفوع اسم کی صفت ہے اور لفظ اسم غیر ذوالعقول میں سے ہے اور غیر ذوالعقول کی صفت کی جمع الف اور تاء کے ساتھ آتی ہے۔

جزء ایجابی کا اشارہ اس قول کی طرف ہے **ویجمع ھذا الجمع مطردًا** کیونکہ مؤنث میں عقل کا نقصان ہوتا ہے اور وہ کالعدم جیسا ہے۔

مرفوعات مرفوع کی جمع ہے اس جیسی چند مثالیں یہاں قابل ذکر ہیں۔

(۱) خیل صافنات ان میں خیل غیر ذوالعقول ہیں اور خیل کی صفت صافن مذکر ہے اور اس کی جمع صافنات آئی۔

(۲) جمال سجلات جمال کا مفرد جمل ہے اس کی صفت سجل بمعنی عظیم اور اس کی جمع سجلات ہے۔

(۳) خالیات جمع ہے خالی کی یہ مذکر ہے اور یوم کی صفت ہے چونکہ لفظ یوم غیر ذوالعقول میں سے ہے لہٰذا اس کی صفت خالی کی جمع خالیات آگئی۔

(۲) دوسری صورت کا جواب:

دوسری صورت کا جواب یہ ہے کہ **ھُو** ضمیر کا مرجع مرفوع ہے، مرفوعٌ اگر چہ حقیقۃً مذکور نہیں ہے لیکن معنی مذکور ہے ای **فی ضمن المرفوعات** اور یہ راجع ہونے کے لئے کافی ہے کیونکہ المرفوعات دال ہے اور مرفوع مدلول ہے تو جب دال مذکور ہے تو حکما مدلول کو بھی مذکور سمجھا جائے گا۔ **ھو** ضمیر کے بجائے **ھی** ضمیر نہیں کہا ہے اس لئے کہ اگر

مرفوعات کو بھی ضمیر کا مرجع بنایا جاتا ہے تو چونکہ وہ جمع ہے اور جمع کی دلالت افراد پر ہوتی ہے تو یہ تعریف افراد کی ہوتی حالانکہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے نہ کہ افراد کی۔

(۵) پانچویں بات مرفوع کی تعریف:

مرفوع وہ اسم ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو اور فاعل کی علامتیں تین ہیں۔

(۱) ضمہ۔ جیسے "زیدٌ" (۲) واوَ۔ جیسے "مُسْلِمُوْنُ" (۳) الف۔ جیسے "زیدانِ

پھر ضمہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) لفظی (۲) تقدیری

ضمہ لفظی جیسے "یازید"۔ تقدیر جیسے "یاموسیٰ" اسم مقصور ہے "یاقاضی" اسم منقوص ہے۔

(۶) چھٹی بات عَلَمُ کے کتنے معانی ہیں۔

عَلَمُ کے کئی معانی ہیں یہاں تین ذکر کئے جائیں گے۔

(۱) شخص معین پر جیسے معرفہ اور نکرہ کی بحث میں بیان کیا جارہا ہے۔ مثال۔ جیسے "زیدٌ"

(۲) پہاڑ کو بھی عربی میں عَلَمُ کہتے ہیں۔ جیسے "کما قال اللہ تعالیٰ ولہ الجوار المُنشاتِ فی البحر کالاَعْلام ای کالجبال"

(۳) علامت کو کہتے ہیں۔

شارح نے ای علامۃ لاکر بتایا کہ یہاں عَلَمُ سے مراد علامت ہے۔

(۷) ساتویں بات اشتمال کی اقسام اور اشتمال سے مراد کیا ہے؟

اشتمال کی کئی صورتیں ہیں۔ یہاں چار ذکر کی جائیں گی۔ (۱) اشتمال الکل علی الجز. (۲) اشتمال الظرف علی المظروف. (۳) اشتمال الموصوف علی الصفت. (۴) اشتمال ذی الحال علی الحال.

اشتمال سے مراد:

اشتمال سے مراد یہاں اشتمال الموصوف علی الصفت ہے یعنی جس طرح موصوف صفت پر مشتمل ہوتا ہے اسی طرح اسم فاعلیت کی علامت یعنی ضمہ واؤ، الف پر مشتمل ہوتا ہے۔

(۸) آٹھویں بات رفع محلی کا مطلب کیا ہے؟

"ولاشک ان الاسم موصوف بالرفع المحلی" سے بیان کررہے ہیں کہ شارح ہندیؒ نے رفع محلی کا انکار کیا ہے شارح جامی اس کو رد کررہے ہیں کہ یہ انکار صحیح نہیں کیونکہ اسم رفع محلی کے ساتھ موصوف ہوتا ہے، رفع محلی کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس جگہ اسم معرب ہوتا تو وہ مرفوع ہوتا خواہ لفظاً رفع آتا جیسے "جاء نی زیدٌ" یا تقدیراً جیسے " جاء نی فتی"

رفع محلی کی مثال جیسے "قام هولاء " ہے کہ اگر "هولاء" مبنی کی جگہ کوئی اسم ہوتا تو اس پر اعراب آتا مثلاً زید ہوتا تو اس پر اعراب لفظی آتا فتـــیٰ ہوتا تو اس پر اعراب تقدیری آتا۔

فمنه الفاعل وهو مسند اليه الفعل او شبهه الخ

فاعل میں سات چیزیں مطلوب ہیں:

(۱) فمنه کی وضاحت۔(۲) مرفوعات میں اصل کیا ہے؟(۳) فاعل کی تعریف اور اس میں اصل۔ (۴) فاعل کو مفعول پر کب مقدم کرنا واجب ہے؟ (۵) اور مفعول کو فاعل پر مقدم کرنا کب واجب ہے؟ (۶) فعل کو کب جوازاً اور کب وجوباً حذف کردیا جاتا ہے؟ (۷) فعل اور فاعل دونوں کو حذف کب کردیا جاتا ہے؟

(۱) پہلی بات فمنه کی وضاحت:

فمنه میں تین چیزیں ہیں۔(۱) فاء (۲) مِنْ (۳) ہ ضمیر

(۱) یہاں فمنه میں فاء عاطفہ کا ہے فلھذا من قبیل عطف التقسیم علی التعریف.

(۲) اور کلمہ مِن کی تین (۳) قسمیں ہیں۔ (۱) ابتدائیہ (۲) تبعیضیہ (۳) بیانیہ

یہاں فمنه میں مِنْ (۱) ابتدائیہ نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ مِن کے مقابلے میں اِلیٰ کا ہونا ضروری ہے جیسے " سرتُ من البصرة الی الکوفة"

(۲) اور مِنْ تبعیضیہ بھی نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ مِنْ داخل ہوتا ہے جمع پر جیسے "اخذت من الدراھم اے بعض الدرھم" اور مرفوع مفرد ہے نہ کہ جمع اسی طرح مِنْ اپنے مدخول کا جزء ہوتا ہے اور فاعل مرفوع کا جزء نہیں ہے بلکہ مرفوع جزء ہے فاعل کا۔

(۳) اور مِن بیانیہ بھی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ مِنْ الّذی کے معنی میں ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی "فالذی ھو المرفوع الفاعل" اس صورت میں فساد معنی لازم آئے گا۔

صاحب عبدالغفورؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ فمنه میں من سے مراد مِنْ ابتدائیہ ہے لیکن ابتداء کی دو قسمیں ہے۔ (۱) ابتدائیہ اتصالیہ (۲) ابتدائیہ غیر اتصالیہ۔

یہاں مِنْ ابتدائیہ اتصالیہ مراد ہے۔

(۳) ہٗ ضمیر کے مرجع میں دو (۲) احتمال ہیں۔ (۱) ہٗ ضمیر کا مرجع مرفوع ہے جو المرفوعات کے ضمن سے سمجھا جاتا ہے جیسا کہ ھو ما اشتمل میں ھُو ضمیر کا مرجع مرفوع ہے تو اس صورت میں دونوں ضمیروں (فمنه، اور ھو ما اشتمل) کے مرجع میں اتحاد ہوگا۔

(۲) ہٗ ضمیر کا مرجع ما اشتمل میں جو لفظ "ما" ہے جس سے اسم مراد ہے اس کی طرف راجع ہے۔

تو اس صورت میں ضمیر کے مرجع میں دو امرین ہوں گے۔ (۱) مرجع قریب ہوگا۔ (۲) اور مرجع صراحۃً مذکور ہوگا۔

<u>(۲) دوسری بات مرفوعات میں اصل کیا ہے؟:</u>

مرفوعات میں اصل فاعل یا مبتداء، اس میں اختلاف ہے، جمہور علماء اور علامہ زمخشریؒ وغیرہ کا۔

جمور علماء کامذہب یہ ہے کہ فاعل اصل ہے۔

علامہ زمخشریؒ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ مبتداء اصل ہے ہر ایک کے پاس دو دلیلیں ہیں۔

دلائل بیان کرنے کے بعد مصنفؒ کو جمہور کا مسلک پسندیدہ ہے اس لئے مصنفؒ مخالفین کے دلائل کا جواب دیں گے۔

جمہور کا پہلی دلیل:

یہ ہے کہ فاعل جملہ فعلیہ کا جز ہوتا ہے جو تمام جملوں میں اصل ہے کیونکہ مقصود جملہ میں ارتباط ہے اور جملہ فعلیہ میں سخت ارتباط ہوتا ہے غیر کے ساتھ جبکہ فعل تقاضا کرتا ہے فاعل کے ساتھ شروع ہی سے ارتباط بخلاف اسم کے کیونکہ اسم مستقل ہے کسی چیز کے ساتھ ارتباط کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جمہور کی دوسری دلیل:

یہ ہے کہ فاعل کا عامل قوی ہے اور عامل کا قوی ہونا دلالت کرتا ہے معمول کے قوی ہونے پر۔

علامہ زمخشریؒ وغیرہ کی پہلی دلیل

یہ ہے کہ مبتداء مرفوعات میں اصل اس لئے ہے کہ مبتداء اپنی اصلی حالت پر باقی ہے کیونکہ مسند الیہ کے اندر تقدیم اصل ہے اور مبتداء مقدم ہوتا ہے بخلاف فاعل کے کہ وہ اگرچہ مسند الیہ ہے لیکن مؤخر ہوتا ہے۔ جیسے "قام زید" میں قام فعل ہے اور زیدٌ فاعل ہے، مبتداء کی مثال زیدٌ قائمٌ میں زیدٌ مبتداء مقدم ہے اور قائمٌ خبر ہے۔

علامہ زمخشریؒ وغیرہ کی دوسری دلیل:

یہ ہے کہ مبتداء پر ہر قسم کا حکم لگایا جاتا ہے خواہ مشتق کا ہو یا جامد کا، مشتق کی مثال جیسے "زیدٌ قائمٌ" میں قائمٌ مشتق ہے، جامد کی مثال جیسے "هذا حجرٌ" میں حجرٌ جامد

ہے بخلاف فاعل کے اس پر صرف مشتق کا حکم لگایا جاتا ہے۔

بہر حال دونوں فریقین کے پاس اپنے اپنے مسلک پر دلائل ہیں۔

مصنفؒ نے چونکہ جمہور علماء کا مسلک اختیار کیا ہے اس لئے مرفوعات کے بیان میں فاعل کو باقی قسموں پر مقدم کیا ہے اس لئے کہا۔ "وانما قُدِمه الخ"

مصنفؒ جمہور کی طرف سے مخالفین یعنی علامہ زمخشری وغیرہ کے دلائل کے جواب دیں گے۔

پہلی دلیل کا جواب:

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مسند الیہ کے اندر تقدیم اصل ہے یہ بات ہم تسلیم ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ تقدیم سے کوئی مانع نہ ہو اور فاعل کے اندر تقدیم سے یہ مانع ہے کہ اگر فاعل کو مقدم کرتے ہیں تو مبتداء کے ساتھ التباس لازم آتا ہے تو اس صورت میں پتہ نہ چلے گا کہ اس کو فاعل کہیں گے یا مبتداء اور اس کے برعکس بھی نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ فاعل کا عامل قوی ہے وہ اپنے معمول میں عمل کرتا ہے خواہ ترتیب میں ہو یا نہ ہو بخلاف عامل المبتداء۔

دوسری دلیل کا جواب:

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ مبتداء پر ہر قسم کا حکم لگایا جاتا ہے تو اس قول سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مبتداء کا محکوم علیہ عام ہے اور عموم قوت کی دلیل نہیں یعنی (عام کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ قوی بھی ہو) حالانکہ فاعل کا محکوم بہ مشتق ہے اور وہ قوی ہے اگر چہ عام نہیں ہے اور اسی طرح فاعل بھی محکوم علیہ واقع ہوتا ہے ہر حکم کے لئے جامد جیسے "نعم الرجل" مشتق جیسے "قام زید"۔

لہٰذا فاعل کو ترجیح دی جائیگی مبتداء پر۔

(۳) تیسری بات فاعل کی تعریف اور اس میں اصل:

هو ما اسند اليه الفعل او شبهه وقدم على جهة قيامه به

فاعل کی تعریف:

فاعل ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کی طرف ایسے فعل یا شبہ فعل کی اسناد کی جائے جو اس اسم پر مقدم ہو اور اس اسم کے ساتھ قائم ہو خواہ اس سے صادر ہو۔ جیسے " قتل زیدٌ عمرًا" یا صادر نہ ہو۔ جیسے " مات زیدٌ"

تعریف میں جو لفظ اسم کا ذکر کیا ہے یہ اسم عام ہے حقیقۃً اسم ہو یا حکماً اسم ہو تا کہ "اعجبنی ان ضربت زیداً " داخل ہو جائے کیونکہ "ان ضربت اسم "مفرد ہے۔ مصدر کی تاویل میں ہو کر اس کی تقدیر عبارت " اعجبنی ضربک زیداً " ہے اور "ضربَ" اسم مفرد ہے، فعل یا شبہ فعل کی اسناد اسم کی طرف ہو اور یہ اسناد بالاصالۃ ہو نہ کہ بالتبع۔

شبہ فعل سے مراد ایسا ہے اسم جو فعل کے ساتھ عمل میں مشابہ ہو کہ جس طرح فعل عمل کرتا ہے اسی طرح وہ اسم بھی عمل کرتا ہے۔

اس تعمیم کا فائدہ یہ ہے کہ فاعل کی تعریف، اسم فاعل، صفت مشبہ، اسم مصدر، اسم فعل، اسم تفضیل کے فاعل کو شامل ہو جائے گی۔

فعل کی مثال جیسے "قام زیدٌ" میں زیدٌ اسم ہے اور اس سے پہلے قام فعل ہے اور اس کی نسبت زید کی طرف ہے اور یہ فعل اس کے ساتھ قائم ہے۔

شبہ الفعل کی مثال جیسے " زیدٌ ضاربٌ ابوہ عمراً "ابوہ اسم ہے اس سے پہلے ضاربٌ صیغہ صفت ہے اس کی نسبت ہو رہی ہے، ابوہ کی طرف جو اس ضرب والے فعل کے ساتھ قائم ہے، لہٰذا ابوہ ضاربٌ صیغہ صفت مشبہ کا فاعل ہوگا۔

والاصل فی الفاعل ان یلی الفعل الخ

یہاں اصل سے مراد مناسب ہے فاعل کے لئے ایک قاعدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ فاعل میں اصل بات یہ ہے کہ فعل کے ساتھ متصل ہو، کیونکہ فاعل فعل کے جزء کی طرح ہے

فاعل اس فعل کے ساتھ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی مانع نہ ہو یعنی فعل اور فاعل کے درمیان میں کوئی فصل نہ آیا۔ اگر اتصال سے کوئی مانع ہوگا تو اس پر عمل نہ ہوگا۔ جیسے " ضــــربک زیــدٌ " میں زیــدٌ فاعل اپنے فعل کے ساتھ اس وجہ سے متصل نہیں کیونکہ اِن میں فصل آ وَ ہوتی ہے وہ (ک) ضمیر ہے۔

جب فاعل اور فعل میں اتصال باقی ہوتو اس کے لئے دو مثالیں ذکر کی جائیں گی۔ ایک مثال جائز ہے اور دوسری مثال مانع ہے۔ یعنی نا جائز ہے۔

(۱)فلذلک جاز ضَرَبَ غُلَامَهُ زیدٌ

یہ مثال اس وجہ سے جائز ہے کہ زیــدٌ فاعل ہے ضرب کا اور وہ مرتبہ کے اعتبار سے ضرب کے متصل ہے لہٰذا غلامہ کی ضمیر زید کی طرف لوٹتی ہے اس میں اضمار قبل ذکر صرف لفظاً لازم آئے گا رتبۃً لازم نہ آئے گا اور یہ نا جائز نہیں۔

(۲)وامتنع ضرب غلامه زیداً

میں غلامہ فاعل ہے اس طرح کہ ضرب فعل غلامہ مضاف مضاف الیہ مل کر ضــرب فعل کا فاعل ہوا جو اپنے فعل کے ساتھ متصل ہے غلامہ میں ضمیر زیــداً کی طرف راجع ہے اور زیداً مفعول بہ ہے اور مؤخر ہے اس لئے اضمار قبل الزکر لفظاً اور رتبۃً دونوں طرح لازم آئے گا جو نا جائز ہے۔

خواہ لفظاً فعل ہو یا معناً۔ لفظاً فعل اس دلیل کے ساتھ کہ لام ساکن ہو۔ جیسے "ضَـرَبْتُ" تا کہ توالی اربع حرکات لازم نہ آجائیں۔ ایک کلمہ کی طرح اگر کلمہ کی طرح فعل کے ساتھ نہ ہوتو پھر لام ساکن نہیں ہوگا جیسا کہ "ضربک"

فاعل معناً فعل کی جزء ہو کیونکہ فعل بغیر فاعل کے نہیں موجود ہوتا ہے۔ اور یہ " وجزء الشیء یلی الشیء " ہے۔

خلافاً للاخفش و ابن جنيّ

اس عبارت سے اشارہ ہے کہ ضرب غلامہ زیداً مثال جائز ہے جب کہ اس سے پہلے یہ معلوم ہوا کہ اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً دونوں طرح لازم آئے گا جو نا جائز ہے اس میں اخفش اور ابن جنی کا اختلاف ہے ان کے پاس دو دلیلیں ہیں۔

(۱) فعل متعدی، جیسا کہ فاعل کا تقاضا کرتا ہے اسی طرح مفعول کا بھی تقاضا کرتا ہے تو واجب ہے کہ دونوں کو برابر رکھے جیسا کہ فاعل کا رتبہ مقدم کیا جائے گا اسی طرح مفعول کا رتبہ بھی مقدم کر لے۔

(۲) شاعر کا یہ قول ہے۔

جزىٰ رَبُّهُ عَنِّیْ عدی بن حاتم   جزاءُ الکلاب العادیات و قد فعل

اس شعر میں ربہ کی ضمیر عدی بن حاتم کی طرف راجع ہے جو کہ مفعول ہے جزی کا اور مفعول مؤخر ہے اور اگر اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً نا جائز ہوتا تو شاعر اپنے کلام میں اس کو کیوں اختیار کرتا۔

پہلے استدلال کا جواب:

جواب یہ ہے کہ کلام اصل کی موافقت پر نہیں پایا جاتا ہے کیونکہ فاعل کی قربت مفعول کی قربت سے فوت ہو جاتی ہے یا اس کے برعکس کہ مفعول کی قربت فاعل کی قربت سے فوت ہو جاتی ہے۔

دوسرے استدلال کے دو جواب ہیں:

(۱) جواب شاعر نے اپنے کلام میں ضرورت شعری کی وجہ سے ایسا کیا ہے اور اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً نثر کلام میں نا جائز ہے۔

(۲) دوسرا جواب ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ (ربہ) کی ضمیر عدی بن حاتم کی طرف راجع ہے بلکہ جزی فعل سے جو الجزاء مصدر سمجھ میں آتا ہے اس کی طرف (ربہ) کی ضمیر راجع ہے

۔تقدیر عبارت یہ ہوگی۔

جزیٰ رب الجزاء عنی عدی بن حاتم جزاء الکلاب العادیات وقد فعل

''ترجمہ:۔جزا دے جزاء کا رب یا عدی بن حاتم کا رب میری طرف سے عدی بن حاتم کو بھونکنے والے کتوں جیسی جزاء۔''

شعر کی ترکیب:

جزی فعل ربہ مضاف و مضاف الیہ مل کر جزیٰ فعل کے لئے فاعل عنی جار ومجرور جزی کے متعلق عدی موصوف ابن مضاف حاتم مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر صفت ہوئی، عدی موصوف کے لئے موصوف اپنے صفت سے مل کر جزیٰ فعل کے لئے مفعول بہ ہوا، جزاء مضاف الکلاب موصوف العادیات صفت، موصوف صفت سے مل کر جزاء کا مضاف الیہ ہوا، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر جزیٰ فعل کا مفعول مطلق۔

جزیٰ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ صورت اور معنیٰ جملہ انشائیہ ہوا۔

وقد فعل یہ بھی صورت جملہ فعلیہ خبر یہ اور معنیٰ جملہ انشائیہ ہے۔

(۴) چوتھی بات فاعل کو مفعول پر کب مقدم کرنا واجب ہے؟

فاعل کو مفعول بہ پر مقدم کرنے کی چار صورتیں ہیں۔

اول صورت واذا انتفی الاعراب لفظاً فیهما والقرینۃ الخ:

فاعل اور مفعول بہ دونوں پر اعراب لفظی نہ ہو اور ایسا قرینہ بھی نہ ہو جو فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرے تو اس صورت میں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ اگر مقدم کرنا واجب نہ ہو تو فاعل اور مفعول بہ میں التباس لازم آئے گا۔

یہ معلوم نہ ہوگا کہ کون سا فاعل ہے اور کون سا مفعول ہے جیسے "ضرب موسیٰ عیسیٰ" (مارا ہے موسیٰ نے عیسیٰ کو) اس مثال میں فاعل اور مفعول پر اعراب لفظی بھی نہیں

ہے کیونکہ دونوں اسم مقصود ہے اور کوئی قرینہ بھی نہیں ہے۔لہٰذا فاعل کی تقدیم واجب ہے یعنی جو مقدم ہوگا اس کو ہم فاعل سمجھیں گے اور جو مؤخر ہوگا اس کو ہم مفعول سمجھیں گے۔

دوسری صورت اوکان الفاعل مضمرٗ امتصلاً:

فاعل ضمیر متصل ہو: جیسے " ضربتُ زیدًا"

تیسری صورت اووقع مفعول بہ بعدِ الاّ:

فاعل کا مفعول الا کے بعد واقع ہو۔جیسے " ماضرب زیدٌ الاعمراً"

چوتھی صورت او بعد معنا ھا:

فاعل کا مفعول انما کے بعد واقع ہو۔جیسے " انما ضرب زیدٌ عمراً"

اب ہرایک کی وجہ بیان کی جاتی ہے۔

(۲) دوسری صورت میں فاعل کی تقدیم اس وجہ سے واجب ہے کہ جب فاعل ضمیر متصل ہے تو اگر مقدم نہ کریں اور مؤخر کردیں تو اس صورت میں اتصال نہ رہے گا اور متصل کو منفصل کرنا لازم آئے گا۔

(۳) تیسری صورت میں فاعل کی تقدیم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فاعل اِلّا سے پہلے ہو گا اور مفعول الا کے بعد تا کہ فاعل کا حصر مفعول پر ہو۔

(۴) چوتھی صورت میں فاعل کی تقدیم مفعول پر اس وجہ سے واجب ہے کہ انما کا حال یہ ہیکہ جس پر حصر ہوتا ہے اس کو آخر میں لاتے ہیں تو اگر فاعل کا حصر مفعول پر ہے تو فاعل کو مقدم کریں گے اور مفعول کو مؤخر کریں گے۔ورنہ خلاف مقصود لازم آئے گا۔

(۵) پانچویں بات مفعول کو فاعل پر مقدم کرنا کب واجب ہے؟

مفعول بہ کی تقدیم فاعل پر واجب ہے اور اس کی بھی چار صورتیں ہیں۔

اول صورت واذا التصل به ضمير مفعول الخ:

فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو۔جیسے قولہ تعالیٰ " واذبتلیٰ ابراھیم ربه"

دوسری صورت او وقع ای الفاعل بعد الا:

فاعل الا کے بعد واقع ہو۔ جیسے " ماضرب عمراً الا زیدٌ"

تیسری صورت او وقع الفاعل بعد معناھا ای معنی الا الخ:

کے ساتھ فاعل اور مفعول کا استعمال ہو۔ جیسے " انما ضرب عمراً زیدٌ"

چوتھی صورت او اتصل مفعول به وھو غیر متصل به :

فعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو اور فاعل کی ضمیر غیر متصل ہو۔ جیسے "ضربک زیدٌ"

اب ہرایک کی وجہ بیان کی جاتی ہے۔

پہلی صورت:

پہلی صورت میں مفعول کو مقدم کرنا اس وجہ سے واجب ہے کہ اگر مفعول کو فاعل کے بعد ذکر کیا اور "ضرب غلامه زیداً "کہا جائے تو اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً دونوں طرح سے لازم آئے گا جو ناجائز ہے۔

دوسری صورت:

دوسری صورت میں مفعول کا انحصار فاعل میں ہوتا ہے۔ جیسے " ماضرب عمرًا الا زیدٌ " اگر فاعل "زیدٌ"کو مقدم کر دیا جائے تو فاعل کا حصر مفعول پر ہو جائیگا جو خلاف مقصود ہے۔

تیسری صورت:

تیسری صورت میں مفعول کا حصر فاعل میں ہوتو اس صورت میں فاعل کا مؤخر کرنا واجب ہے۔ جیسے " انما ضرب عمرًا زیدٌ "اس میں عمر کی مضروبیت کا حصر زید کی ضاربیت پر ہورہا ہے اگر فاعل کو مقدم کردیں گے تو "ضاربیت" کا حصر عمر کی مضروبیت میں ہوگا اور یہ مقصود کے خلاف ہے۔

چوتھی صورت:

چوتھی صورت میں بھی فاعل کومؤخر کرنا ہے۔جیسے "ضربک زیدٌ" اگر فاعل زیدٌ کومقدم کردیں گے،مفعول (ک) ضمیر متصل پر تو اس کوفعل سے علیحدہ کرنا ہوگا اور اس صورت میں متصل کا منفصل ہونا لازم آئے گا۔

(٦) چھٹی بات فعل کوکب جوازاًاور کب وجوباً حذف کردیا جاتا ہے

وقد یحذف الفعل لقیام قرینة جوازاً الخ

جوفعل فاعل کورفع دینے والا ہے کبھی اس فعل کوحذف کردیا جاتا ہے جوازاً لیکن شرط یہ ہے کہ قرینہ سے معلوم ہوجائے۔

جوازاً کی دوصورتیں ہیں۔

(۱) فعل کوکبھی سوال محقق کے جواب میں حذف کیا جائے گا۔

(۲) اور کبھی سوال مقدر کے جواب میں حذف کردیا جائے گا۔

سوال محقق کی مثال۔جیسے کسی شخص نے کہا کہ "من قام" (کون کھڑا ہے) تو اس کے جواب میں کہا گیا "زیدٌ" یہاں فعل محذوف ہے جس پر قرینہ سائل کا سوال ہے۔

اصل میں "قام زیدٌ" تھا تو چونکہ سائل کے سوال میں فعل قام موجود ہے تو اسی قرینہ کی وجہ سے فعل کوحذف کرکے صرف "زیدٌ" کہا گیا۔

سوال مقدر کی مثال جیسے" **ولیبک یزید ضارعٌ لخصومة ومختبط مما تطیح الطوائح**" اس مثال میں "**ولیبک یزید**" کے بعداور **ضارعٌ لخصومة** سے پہلے **یبکی** فعل مقدر ہے۔اس لئے سوال مقدر کے قرینہ کی وجہ سے **یبکی** فعل کو حذف کردیا گیا ہے۔

شعر کا ترجمہ:

چاہئے کہ یزید روئے اور ایسا شخص روئے جو دشمن سے انتقام لینے سے عاجز ہے۔اور

وہ شخص رُوئے جو بے وسیلہ سوال کرتا تھا اس وجہ سے کہ ہلاک کردینے والی چیزوں نے اس کے مال کو ہلاک کردیا اور مال حاصل کرنے والے اسباب کو بھی ہلاک کردیا۔

شعر کی ترکیب:

لیبک فعل مجہول یزید اس کا نائب فاعل فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ جزئیہ ہوا۔

ضارعٌ یُبکہ کہ فعل محذوف کا فاعل (ہ) ضمیر مفعول بہ لخصومۃ جار مجرور مل کر ضارعٌ شبہ فعل کے متعلق ضارعٌ اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ "ومختبط مما تطیح الطوائح" میں واؤ حرف عاطفہ مختبط شبہ فعل من جارہ ما مصدریہ تطیح فعل طوائح فاعل فعل اپنے فاعل سے مل کر مصدر کی تاویل میں ہو کر مجرور ہوا جار کے لئے جار اپنے مجرور سے مختبط کے ساتھ متعلق مختبط شبہ فعل اپنے متعلق سے مل کر معطوف ہوا، معطوف علیہ کے لئے معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر یبکیہ فعل کے لئے فاعل ہوا فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

وقد یحذف الفعل وجوباً الخ

کبھی فعل کو وجوباً حذف کردیا جاتا ہے جب حذف کا قرینہ موجود ہو اور محذوف کا قائم مقام بھی پایا جائے جیسے "وَاِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ الخ" یہاں "احدٌ" سے پہلے فعل کے حذف کا قرینہ "اِنْ" ہے کیونکہ ان حرف شرط ہے اس کا دخول فعل پر ہوتا ہے اگر فعل نہ لایا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہاں کوئی فعل محذوف ہے اس کے بعد استجارک یہ فعل محذوف کی تفسیر ہے اب اگر فعل محذوف کو جو مفسَّر ہے، ذکر کیا جاتا ہے تو مفسِّر اور مفسَّر دونوں کا اجتماع لازم آئے گا اور وہ ایسی صورت میں ناجائز ہے۔

(۷) ساتویں بات کبھی فعل اور فاعل دونوں کو حذف کردیا جاتا ہے:

وقد یحذفان معاً الخ

جس طرح فقط فاعل سے فعل کو حذف کرنا جائز ہے اسی طرح فعل اور فاعل دونوں کو

معاً یعنی (اکھٹا) حذف کرنا بھی جائز ہے جبکہ کوئی قرینہ ہو، معاً سے معلوم ہو کہ فقط فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں سوائے چند جگہوں کے۔

دونوں کے اکھٹا حذف ہونے کی مثال جیسے کسی نے کہا"اَقَامَ زیدٌ" (کیا زید کھڑا ہے) تو اس کے جواب میں کہا جائے" نَعَمْ" (ہاں)

اصل میں"نعم قَامَ زیدٌ" تھا (ہاں زید کھڑا ہے)"قام زیدٌ" فعل اور فاعل دونوں کو حذف کرکے" نعم "کو اس کے قائم مقام کردیا چونکہ سائل کا سوال قرینہ ہے جو دلالت کرتا ہے فعل اور فاعل کے محذوف ہونے پر اس لئے دونوں کو حذف کردیا گیا۔

واذا تنازع الفعلان ظاهرًا الخ:

تنازع الفعلان میں چار چیزیں مطلوب ہیں

(۱) تنازع الفعلان کی تعریف۔

(۲) تنازع الفعلان کی کتنی صورتیں ہیں۔

(۳) قطع تنازع کی صورت میں کتنے مذاہب ہیں۔

(۴) بصریین اور کوفیین کا اختلاف کس میں ہے۔

(۱) پہلی بات تنازع الفلان کی تعریف:

تنازع الفلان کی تعریف یہ ہے کہ جب دو فعل ایسے اسم ظاہر میں تنازع کریں جو ان دونوں کے بعد واقع ہو یعنی ہر ایک فعل یہ چاہئے کہ یہ اسم ظاہر میرا معمول بنے اس کو **تنازع الفعلان** کہتے ہیں۔

فعلان سے مراد دو عامل ہیں خواہ فعل ہو یا شبہ فعل کیونکہ فعل عمل میں اصل ہے، تنازع فعلین میں ہوتا ہے یہ تنازع کے اقل مرتبہ کو بیان کیا ہے۔ یہاں تنازع کے معنی مخاصمت مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ دو فعل معنی کے اعتبار سے اسم ظاہر کی طرف متوجہ ہوں اور ہر فعل یہ ہے کہ وہ اسم ظاہر میرا معمول بنے یہ مطلب نہیں کہ دو فعل آپس میں ہاتھا پائی (جھگڑا) کریں گے۔

فحینئذ لایتصور تنازعهما فی الضمیر المتصل الخ :

ضمیر متصل میں تنازع اس وجہ سے نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ضمیر جس عامل کے ساتھ متصل ہوگی وہی عمل کرے گی۔اور ضمیر منفصل میں تنازع تو ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ الا کے بعد واقع ہولیکن قطع تنازع کی جو شکل ہے وہ ممکن نہیں جمہور کے مذہب پر۔

فقد یکون فی الفاعلیة الخ

(۲) دوسری بات تنازع الفعلان کی کتنی صورتیں ہیں؟

تنازع الفعلان کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) دونوں فعل فاعلیت میں جھگڑا کریں گے یعنی ہرایک یہ چاہے گا کہ بعد والا اسم ظاہر میرا فاعل بنے جیسے "ضربنی واکرمنی زیدٌ"

(۲) دونوں مفعولیت میں جھگڑا کریں گے یعنی ہرایک یہ چاہے گا کہ بعد والا اسم ظاہر میرا مفعول بنے۔جیسے "ضربتُ واکرمتُ زیدًا"

(۳) اول فعل یہ چاہے کہ بعد والا اسم ظاہر میرا فاعل بنے دوسرا فعل یہ چاہے کہ یہ میرا مفعول بنے۔جیسے "ضربنی واکرمتُ زیدًا"

(۴) اول فعل بعد والے اسم ظاہر کو اپنا مفعول بنائے اور دوسرا اس کو اپنا فاعل بنانا چاہے گا۔جیسے "ضربتُ واکرمنی زیدٌ"

(۳) تیسری بات قطع تنازع کی صورت میں کتنے مذاہب ہیں:

قطع تنازع کی صورت میں چار مذاہب ہیں۔

(۱) بصریین (۲) کوفیین (۳) امام کسائی (۴) فراء

(۱) بصریین کے نزدیک قطع تنازع کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ فعل ثانی کو عمل دیا جائے اور فعل اول میں فاعل کی ضمیر لائی جائے۔

(۲) کوفیین کے نزدیک قطع تنازع کی صورت یہ ہے کہ فعل اول کو عمل دیا جائے اور فعل ثانی میں ضمیر فاعل لائی جائے۔

اور یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں مثلاً "ماضَربَ واکرم الاّ انا" اس مثال میں اگر ضمیر کسی بھی فعل میں بمع الالاتے ہیں تو حرف کا اضمار لازم آتا ہے۔

کیونکہ الاَّ حرف ہے اور بغیر الاّ کے ضمیر لاتے ہیں تو معنی فاسد ہو جائیں گے، کیونکہ "ماضرب واکرم الاَّ انا" کے معنی ہے۔ (نہیں مارا اور نہیں اکرام کیا لیکن میں نے) اس میں فعل کا فاعل کے لئے اثبات ہے اور جب بغیر الاَّ کے انا ضمیر ان میں پوشیدہ مانی جائے گی تو ان کے معنی ہوں گے۔ (کہ میں نے نہ مارا ہے اور نہ اکرام کیا ہے) تو اس صورت میں فعل کی نفی کی جائیگی۔

خلافًا لِکسائی الخ

(۳) امام کِسائی:

کسائی بصریین کے موافق ہیں کہ فعل ثانی کو عمل دینا اولیٰ ہے لیکن فعل اول اگر فاعل کا تقاضا کرے تو اس میں وہ فاعل کی ضمیر نہیں لاتے بلکہ فاعل کو حذف کر دیتے ہیں لیکن یہ حذف نسیاً منسیاً نہ ہوگا بلکہ حذف مقدر رہوگا۔

یعنی کسائی کا جو نحاۃ بصرہ سے اس خاص صورت میں اختلاف ہے اس کا اثر "ضربانی واکرمنی الزیدان عند البصریین" اور "ضربنی واکرمنی الزیدان عند الکسائی" میں ظاہر ہوگا۔

بصریین پہلے فعل میں ضمیر لاتے ہیں اس لئے ضربانی تثنیہ کا صیغہ لایا جائے گا کیونکہ اسم ظاہر الـزیـدان تثنیہ ہے اور کسائی کے نزدیک چونکہ فاعل کی ضمیر نہ لائی جائے گی بلکہ فاعل کی ضمیر کو حذف کر دیا جائے گا اس لئے دونوں فعل یعنی ضربنی واکرمنی مفرد ہوں گے۔

وجاز ای اعمال الفعل الثانی مع اقتضاء الفعل الاول الفاعل خلافًا للفراء الخ

(۴) امام فراء:

اگر فعل اول فاعل کا تقاضا کرے تو اس صورت میں بھی بصریین کے نزدیک فعل ثانی

کوعمل دینااولیٰ ہے۔

اس صورت میں فراء کااختلاف ہے کہ فعل ثانی کوعمل دیناجائزنہیں۔

دلیل یہ ہے کہ فعل ثانی کوعمل دینے کی صورت میں دوباتیں ہیں۔

(۱)یاتواضمارقبل الذکرلازم آتاہےجیسا کہ جمہوربصریین کامذہب ہے۔

(۲)یافاعل کا حذف لازم آئے گا جیسا کہ کسائی کا مذہب ہے۔لہٰذاایسی صورت میں فعل اول کوعمل دیاجائے گااس کے بعددیکھاجائے گاکہ اگرفعل ثانی فاعل کا تقاضا کرتا ہےتواس صورت میں فاعل کی ضمیرلائیں گےاس میں نہ تواضمارقبل الذکرلازم آتاہےاورنہ فاعل کا حذف لازم آتاہےاوراگرفعل ثانی مفعول کا تقاضا کرتا ہےتو اگراس کوحذف کرنا چاہیں توحذف کردیں اورچاہیں توضمیرلائی جائے دونوں صورتیں جائزہیں۔

وقیل روی عنه تشریک الرافعین الخ

اس عبارت سے یہ بیان فرمارہے ہیں کہ فراءسےاورصورتیں بھی مروی ہیں۔

(۱)اگردونوں فعل فاعل کا تقاضاکریں تودونوں کواسم ظاہرمیں شریک کردیاجائے۔

(۲)اگرفعل ثانی کوعمل دیاجائےاورفعل اول کے فاعل کی ضمیراسم ظاہرکی لائی جائے جیسے "ضربنی واکرمنی زیدٌ هو" اس مثال میں زیدٌ اکرمنی کافاعل ہےاور ضربنی کافاعل هو ضمیرہےجوزیدکے بعدذکرہےاوراس کی طرف راجع ہے۔

اگرفعل ثانی مفعول کا تقاضاکرتاہےاورفعل اول فاعل کا تواس صورت میں بھی عمل تو ثانی کودیاجائے گااوراسم ظاہراس کامفعول ہوگااورفعل اول کے لئےضمیراسم ظاہرکے بعد لائی جائے گی۔جیسے "ضربنی واکرمنی زیداً هو"

(۴)چوتھی بات بصریین اورکوفیین کےدرمیان اختلاف کس میں ہے،

بصریین اورکوفیین کااختلاف مختاراورپسندیدہ ہونے میں ہے جوازاورعدم جواز میں اختلاف نہیں ہے۔

ہرایک کے اپنے مذہب پر دلائل ہیں۔

بصریین حضرات فعل ثانی کوعمل دینا اولی سمجھتے ہیں، ان کے پاس تین (۳) دلیلیں ہیں۔

پہلی دلیل:

"**لانہ قریب و الحق للقریب ثم للبعید**" فعل ثانی اسم ظاہر کے قریب ہے اور اس کا پڑوسی بھی ہے اور اسی وجہ سے والاصل ان یلی الفعل کہا تھا کہ عمل فعل ثانی کو دینا بہتر ہے۔

دوسری دلیل:

یہ ہے کہ اگر فعل اول کو مذہب کوفیین کے مطابق عمل دیا جائے تو عامل اور معمول کے درمیان فصل لازم آئے گی جو غیر اصل اور غیر مناسب ہے کیونکہ اصل یہی ہے کہ معمول اپنے عامل کے ساتھ متصل ہو۔

تیسری دلیل:

یہ ہے کہ لازم نہ آجائے جملہ ثانیہ کا عطف جملہ اول پر قبل التمام۔

مصنفؒ کے نزدیک بصریین کا مذہب پسندیدہ ہے اسی وجہ سے مصنفؒ کوفیین کو تیسری دلیل کا جواب دیں گے۔

کوفیین حضرات عمل فعل اول کو اولی سمجھتے ہیں ان کے پاس تین دلائل ہیں۔

پہلی دلیل:

لانہ الا سبق فی الطلب اور سبقیہ اسباب ترجیح میں سے ہے

کیونکہ فعل اول مقدم ہے اور جو چیز مقدم ہوتی ہے اس کو پہلے لانے کا زیادہ حق ہے۔

دوسری دلیل:

یہ ہے کہ اگر فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو درست نہیں فعل اول کو عمل دینے میں یہ خرابی لازم نہیں آتی۔

تیسری دلیل:

بقول امرئ القیس: کفانی ولم اطلب قلیلٌ من المال

یہاں تنازع عاملین ہوا ہے وہ ہے کفانی اور لم اطلب معمول واحد میں وہ ہے قلیلٌ شاعر نے عمل فعل اول کو دیا ہے جو کہ قلیلٌ مرفوع پڑھا ہے۔ جس کی فصاحت وبلاغت مشہور ہے اُس نے بھی فعل اول کو عمل دیا ہے تو معلوم ہوا کہ فعل اول ہی کو عمل دینا زیادہ بہتر ہے۔

شعر:

ولو انما اسعیٰ لادنیٰ معیشة کفانی ولم اَطْلَب قلیلٌ مِنَ المال

اس شعر میں کفانی فعل اول ہے اور لم اطلب فعل ثانی ہے، قلیلٌ من المال کو کفانی کا فاعل قرار دیا ہے لم اطلب کا مفعول نہیں بنایا گیا۔

مصنفؒ کوفیین کو جواب دے رہے ہیں، بصریین کے جواب نہیں دے رہے ہیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ مصنفؒ بصریین کے طرفدار ہیں اور پسندیدہ مذہب بھی بصریین کا ہے۔

جواب:

لیس منه ای من باب التنازع لفساد المعنیٰ

کہ مثال مذکورہ میں تنازع نہیں ہے، یہاں ایک قاعدہ بیان ہوگا۔ شعر میں لفظ لَوْ ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ لو اپنے مدخول مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت کر دیتا ہے یہی حال اس کے مدخول پر جو معطوف ہے، اس کا ہے۔

اس قاعدہ کی بناء پر یہاں لو کا مدخول اسعیٰ ہے جو شرط ہے اور کفانی جزا ہے، یہ دونوں مثبت ہیں اس لئے منفی ہو جائیں گے، اسعیٰ لم اسعیٰ ہوگا اور کفانی لم یکفنی ہوگا اور لم اطلب کا عطف کفانی پر ہے اور وہ منفی ہے اس لئے وہ

مثبت یعنی اطلب ہوگا۔

اب بات یہ ہے کہ اگر قلیل من المال میں کفانی اور لم اطلب کا تنازع واقع ہو تو شعر کے معنی یہ ہوں گے کہ میں تھوڑی معیشت (تھوڑے مال) کی کوشش نہیں کرتا اور نہ تھوڑا مال مجھ کو کافی ہے اور میں تھوڑے مال کو طلب کرتا ہوں۔

ترجمہ میں صاف نظر آرہا ہے کہ تناقض کا ایک جگہ مال کا انکار کر رہا ہے اور دوسری جگہ میں اقرار کر رہا ہے

تو معلوم ہوا کہ شعر مذکورہ میں تنازع نہیں ہے۔

قلیلٌ مِن المال کفانی کا فاعل ہے اور ولم اطلب اس کو مفعول نہیں بنانا چاہتا بلکہ اس کا مفعول محذوف ہے اور وہ المجد الموثل ہے۔ دلیل اس پر بعد والا شعر ہے۔

شعر:

ولکنما اسعیٰ لمجد موثل وقد یدرک المجد الموثل امثالی

(۲) مفعول مالم یسم فاعله الخ:

مفعول مالم یسم فاعله میں پانچ چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) فاعل اور مفعول مالم یسم فاعله کو علیحدہ ذکر نہیں کیا بلکہ ان کو ایک فصل میں ذکر کیا۔ (۲) مفعول مالم یسم فاعله کی تعریف۔ (۳) مفعول مالم یسم فاعله کی شرط۔ (۴) جو فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتے وہ کتنے مفاعیل ہیں۔ (۵) اگر سب مفاعیل کسی ترکیب میں جمع ہو جائیں تو ترجیح کس کی ہوگی۔

(۱) پہلی بات فاعل اور مفعول مالم یسم فاعله کو ایک فصل میں لانے کی وجہ:

فاعل اور مفعول مالم یسم فاعله کو ایک فصل میں اس وجہ سے لائے ہیں کہ ان دونوں میں شدید اتصال ہے یہاں تک کہ بعض نحویوں نے تو اس کو فاعل میں شمار کیا ہے۔

(۲) دوسری بات مفعول مالم یسم فاعله کی تعریف:

یہ ہر وہ مفعول ہے کہ جس کے فاعل کو حذف کیا گیا ہو اور اس کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہو۔ مثال جیسے " ضُرِبَ زیدٌ " اصل میں " ضَرَبَ عمروٌ زیداً " تھا۔ ضَرَبَ سے ضُرِبَ بنایا گیا اور اس کے فاعل عمروٌ کو حذف کر دیا گیا اور اس کے مفعول زیداً کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا تو "ضُرِبَ زیدٌ" ہو گیا۔

(۳) تیسری بات مفعول مالم یسم فاعله کی شرط:

کہ فاعل کے حذف کرنے اور مفعول کو اس کے قائم مقام کرنے میں شرط یہ ہے کہ فعل کا صیغہ ماضی مجہول اور مضارع مجہول کی طرف متغیر کر دیا جائے فُعِل سے مراد یہ ہے کہ ہر ماضی مجہول اور یُفعل سے مراد ہر مضارع مجہول ہے خواہ ثلاثی مجرد ہو یا مزید فیہ یا رباعی ہو۔

(۴) چوتھی بات ولایقع المفعول الثانی من باب علمتُ والمفعول الثالث من باب اعلمتُ والمفعول له والمفعول معه:

چوتھی بات یہ ہے کہ جو فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتے وہ کتنے مفاعیل ہیں وہ چار مفاعیل ہیں۔ (۱) عَلِمْتُ کا مفعول ثانی۔ (۲) اَعْلَمْتُ کا مفعول ثالث۔ (۳) مفعول لہ۔ (۴) مفعول معہ۔

علمتُ سے وہ فعل مراد ہے جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ جیسے " عَلِمْتُ زیداً فاضلاً " یہاں دوسرا مفعول عین اول ہے یعنی دونوں کا مصداق ایک ہے اعلمتُ سے وہ فعل مراد ہے جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہے جیسے " اعلم الله زیداً فاضلاً عاقِلاً " یہاں تیسرا مفعول عین ثانی ہے یعنی دونوں کا مصداق ایک ہے۔

اب ہر ایک کی وجہ بیان کی جاتی ہے۔

باب عـلـمتُ کامفعول ثانی اول کی طرف مسند ہوتا ہےاور باب اعـلـمتُ کا مفعول ثالث مفعول ثانی کی طرف مسند ہوتا ہےاور دونوں کی اسناد تام ہے۔

اب اگران کومفعول مـالـم یسـم فاعله بنایا جاتا ہےاور فاعل کے قائم مقام کیا جاتا ہےتو یہ مسند الیہ ہوں گے اور وہ اسناد تام ہوتی ہے تو اس صورت میں ایک چیز کی اسناد تام کے ساتھ مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئے گا۔

مفعول لہ بھی فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا اس لئے کہ مفعول لہ کی علت نصب ہے اگر اس کو فاعل کے قائم مقام کردیا جائے تو اس پر رفع آئے گا اور مفعول لہ ہونا سمجھ میں نہ آئے گا۔

مفعول معہ بھی فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا اس لئے کہ مفعول معہ ایسے مفعول کو کہتے ہیں جو واؤ بمعنی مع کے بعد واقع ہو۔

اب اگر مفعول معہ کو فاعل کے قائم مقام کیا جائے تو اس کے لئے دو(۲) طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ:

مفعول معہ کو اگر واؤ کے ساتھ ذکر کیا جائے تو واؤ عطف کے لئے آتا ہےاور معطوف ومعطوف علیہ کے درمیان میں مغایرت ہوتی ہے تو چونکہ فاعل فعل کے لئے جزء ہوتا ہےاس لئے فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا ہے۔

دوسرا طریقہ:

مفعول معہ کو اگر بغیر واؤ کے قائم مقام کیا جائے تو اس کا مفعول معہ نہ رہے گا۔

(۵) پانچویں بات:

اگر ترکیب میں سب جمع ہوجائیں تو ترجیح کس کی ہوگی۔

واذا وجد المفعول به الخ

اگر کسی ترکیب میں سب مفاعیل جمع ہوجائیں تو فاعل کے قائم مقام ہونے میں مفعول بہ کو ترجیح دی جائیگی کیونکہ اس کے فاعل کے ساتھ زیادہ مشابہت ہے۔

اگر کسی ترکیب میں مفعول بہ نہ ہوتو پھر فاعل کے قائم مقام ہونے میں سارے مفاعیل برابر ہیں کسی کوترجیح نہیں ہوگی۔

اور باب اعطیت کے دومفعولوں میں سے جس کو چاہے فاعل کے قائم مقام کردیں لیکن مفعول اول کوقائم مقام کرنا زیادہ بہتر ہے۔

کیونکہ اس میں فاعلیت کے معنی پائے جاتے ہیں۔مثلاً "اعطیٰ زیدٌ درهماً" میں زید لینے والا ہےاور درھم کولیا گیا ہے۔

باب اعطیت کے دونوں مفعول ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہیں۔

تفصیلی مثال:

"ضرب زیدٌ یوم الجمعة امام الامیر ضربًا شدیدًا فی دارہ" اس مثال میں زیدٌ مفعول بہ ہے ضرب کا اس لئے اسی کو فاعل کے قائم مقام کیا گیا، باقی سب یہی مفاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن زیدٌ چونکہ مفعول بہ ہے اس لئے اسی کو فاعل کے قائم مقام کیا گیا۔

قوله ومنها المبتداء والخبر الخ:

جب مصنفؒ مرفوعات کی قسم ثانی کی تعریف اوراحکام کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب مرفوعات کی قسم ثالث اور رابع کو بیان کرتے ہیں۔قسم ثالث اور رابع مبتداء اور خبر ہیں۔

مبتداء اور خبر میں تیرہ چیزیں مطلوب ہیں:

(۱) مبتداء اور خبر کو ایک فصل میں لانے کی وجہ۔

(۲) فاعل کے بارے میں منه کی ضمیر اور مبتداء وخبر کے بارے میں منها کی ضمیر۔

(۳) مبتداء اور خبر کی تعریفیں۔

(۴) مبتداء کے دوسری قسم کی تعریف۔

(۵) مبتداء اور خبر میں عامل کیا چیز ہے؟

(۶) مبتداء میں اصل کیا چیز ہے؟

(۷) مبتداء کب نکرہ بنے گا؟

(۸) خبر کبھی کبھی جملہ بھی ہوتی ہے۔

(۹) مبتداء کو خبر پر کتنی جگہوں پر مقدم کرنا واجب ہے اور اسی طرح خبر کو مبتداء پر کتنی جگہوں پر مقدم کرنا واجب ہے۔

(۱۰) مبتداء تو ایک ہی رہتا ہے کیا اس کی خبر متعدد بھی ہوتی ہے اور تعدد کی کتنی قسمیں ہیں۔

(۱۱) مبتداء اور خبر کے مشترکہ احکام کتنے ہیں اور کیا کیا ہیں؟

(۱۲) مبتداء کا حذف کرنا کب واجب ہوتا ہے؟

(۱۳) خبر کو حذف کب کرنا ہوتا ہے۔

اب ہر ایک کی وجہ بیان کی جاتی ہے:

پہلی بات: مبتدا اور خبر کو ایک فصل میں لانے کی وجہ:

(۱) مبتداء اور خبر میں تلازم ہے جب ایک مذکور ہو تو دوسرا بھی ضرور مذکور ہوگا، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے، اس لئے دونوں کو ایک ہی فصل میں ذکر کیا ہے۔

(۲) دوسری وجہ ان کو ایک فصل میں جمع کرنے کی یہ ہے کہ یہ دونوں عامل معنوی میں شریک ہیں یعنی ابتداء میں۔

دوسری بات: فاعل کے بارے میں منہ کی ضمیر اور مبتداء وخبر کے بارے میں منہا کی ضمیر

یہاں منھا ضمیر لانے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مرجع دور ہے جو کہ مرفوعات ہے اور وہاں مرجع قریب ہے جو کہ مرفوع ہے اس وجہ سے یہاں منھا ضمیر مؤنث لائی گئی تاکہ

غفلت کرنے والوں کے لئے مفید ثابت ہو جائیں۔

فقال منها لیکون راجعًا الی المرجع الصریحی قوله یعنی من جملة المرفوعات اشارة الی تفسیر مرجع قوله ومنها وقوله او من جمله المرفوع تفسیر مرجع قوله منه الخ.

تیسری بات: مبتداء اور خبر کی تعریفیں:

مبتداء کی تعریف: ’’ **اَلْمُبْتَداءُ هُوَ الاسم المجرَدُ عَن العَوَامِلِ اللَّفْظِیَّةِ المُسْنَدُالیه** ‘‘

ترجمہ: مبتداء وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مسند الیہ ہو۔

خبر کی تعریف: ’’ **اَلْخَبَرُ هُوَ الاسم المُجَرَّدُ عَنِ العَوَامِلِ اللَّفْظِیَّةِ المُسْنَدُ به.** ‘‘

ترجمہ: خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مسند بہ ہو۔ جیسے " **زیدٌ قائمٌ** " میں زید اسم ہے اور عوامل لفظیہ سے خالی ہے اور مسند الیہ ہے لہٰذا یہ مبتداء ہے اور قائمٌ اسم ہے عوامل لفظیہ سے خالی ہے اور مسند بہ ہے لہٰذا یہ خبر ہے۔

چوتھی بات: مبتدا قسم ثانی کی تعریف:

مبتداء کی قسم اول کو بیان کرنے کے بعد اب مصنفؒ قسم ثانی کو بیان کرتے ہیں۔ نحوی حضرات کے ہاں مبتداء کی ایک دوسری قسم بھی ہے یہ مسند الیہ نہیں ہوتی بلکہ مسند ہوتی ہے اور اس کے بعد والا اسم خبر نہیں بلکہ فاعل قائم مقام خبر کے ہوتا ہے اور اس کی تعریف یہ ہے۔

مبتدا قسم ثانی کی تعریف: وہ صیغہ صفت ہے جو حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد واقع ہو اور ہر وہ صیغہ صفت اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو (چاہئے حقیقۃً اسم ظاہر ہو) جیسے حرف نفی کی مثال: ’’ **ما قائمٌ زیدٌ** ‘‘ ما حرف نفی قائم صیغہ صفت مبتداء، اور **زیدٌ** اس کی قائم مقام خبر۔

حرف استفہام کی مثال۔" اقائمٌ زیدٌ " ہمزہ حرف استفہام قائمٌ صیغہ صفت مبتداء زیدٌ اس کا فاعل قائم مقام خبر۔

یا حکماً اسم ظاہر ہو:

اس سے مراد ضمیر منفصل ہے۔ جیسے " اَرَاغِبٌ اَنتَ عَنْ الِهتِیْ یا ابراهیم" (کیا تو اعراض کرنے والا ہے میرے معبودوں سے۔ اے ابراہیم) اس مثال میں ہمزہ استفہام ہے۔ رَاغِبٌ صیغہ صفت مبتداء ہوکر انت ضمیر منفصل کو رفع دے رہا ہے اور یہ ضمیر منفصل فاعل کا قائم مقام خبر کے ہے، اس ظاہر والی قید سے ضمیر متصل نکل گئی اگر ضمیر متصل کو رفع دینے والا ہوگا تو وہ مبتداء کی قسم ثانی نہیں ہوگا۔ جیسے " مَاقَائمانِ الذیدان" اس مثال میں قائمان صیغہ صفت (هُما) ضمیر تثنیہ کو رفع دینے والی ہے نہ کہ زیدان اسم ظاہر کو۔

کیونکہ صیغہ صفت عملاً فعل کے حکم میں ہوتا ہے جب فعل یا صیغہ صفت کا فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل صیغہ صفت ہمیشہ مفرد رہتا ہے، خواہ فاعل مفرد، تثنیہ یا جمع ہی کیوں نہ ہو، اور جب فاعل اسم ضمیر ہو اگر ضمیر مفرد ہو تو فعل وصیغہ صفت مفرد، اگر ضمیر تثنیہ وجمع ہو تو فعل و صیغہ صفت بھی تثنیہ وجمع ہوتی ہے اس مثال میں صیغہ صفت تثنیہ ہے معلوم ہوا کہ اس کا فاعل ضمیر تثنیہ ہے اسم ظاہر اس کا فاعل نہیں۔

لہٰذا یہ مبتداء کی قسم ثانی نہیں ہوگی۔

اگر صیغہ صفت حرف نفی اور حرف استفہام کے بغیر واقع ہو تو مبتدا نہیں بن سکتا ہے۔ امام سیبویہؒ اور امام اخفشؒ ان دونوں کے نزدیک مبتداء بن سکتا ہے، پھر ان دونوں میں یہ اختلاف ہے کہ امام سیبویہ کہتے ہیں کہ قباحت کے ساتھ مبتداء بن سکتا ہے اور امام اخفش فرماتے ہیں کہ بغیر قباحت کے مبتداء بن سکتا ہے ان کا استدلال شاعر کے قول۔ "فَخَیرٌ نَحنُ عِندَ النَّاسِ مِنکُمْ" سے ہے اس شعر میں خیر صفت اور مبتداء ہے اور نحن اس کا فاعل ہے حالانکہ خیر سے پہلے نہ حرف نفی ہے اور نہ حرف استفہام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ خیر خبر مقدم ہو اور نحن مبتداء، مؤخر ہو۔ شارح امام اخفشؒ

کی طرفداری کرر ہے ہیں اپنے اس قول سے "ولو جعل خیرٌ خبرًا الخ".

اس عبارت میں دوترکیبیں ہیں۔(۱) خیرٌ کو نحن کی خبر قرار دیا جائے تو اس صورت میں اسم تفضیل خیر اور اس کے معمول منکم کے درمیان نحن مبتداء کے ذریعہ فصل لازم آئے گی اور یہ فصل بالاجنبی ہے جو ناجائز ہے۔(۲) نحن کو خیر کا فاعل بنایا جائے تو فصل بالاجنبی نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں نحن خیر کا فاعل ہوگا اور فاعل اجنبی نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے عامل کے جزء کی مانند ہوتا ہے۔

قوله فان طابقت اسماً مفردًا الخ:

جب صیغہ صفت حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد واقع ہو کر بعد والے اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہے تو عقلی طور پر مطابقت اور مخالفت کے اعتبار سے تین صورتیں ہیں۔

(۱) صیغہ صفت بھی مفرد بعد والا اسم ظاہر بھی مفرد جیسے "ماقائمٌ زیدٌ" یا "اقائمٌ زیدٌ" اس صورت میں دوترکیبیں ہونگی۔(۱) صیغہ صفت مبتداء اور زید اسم ظاہر اس کا فاعل قائم مقام خبر ہو۔(۲) زید اسم ظاہر مبتداء مؤخر اور صیغہ صفت اس کی خبر مقدم ہو۔ اس وقت صیغہ صفت میں ضمیر مستتر ہوگی جو بعد والے اسم ظاہر کی طرف لوٹے گی۔اس صورت میں صیغہ صفت اور اسم ظاہر میں مطابقت ہے بوجہ مفرد ہونے کے۔(۲) دونوں میں مطابقت ہو تثنیہ یا جمع ہونے میں۔جیسے "ماقائمان الذیدان یا ماقائمون الذیدون" اس صورت میں واجب ہے کہ بعد والا اسم ظاہر مبتداء کی قسم اول ہو اور صیغہ صفت اس کی خبر مقدم ہو اس وقت صیغہ صفت مبتداء کی قسم ثانی نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں شرط تھی کہ وہ اسم ظاہر کو رفع دینے والی ہو اور ان مثالوں میں اسم ضمیر کو رفع دینے والا ہے ورنہ تثنیہ وجمع نہ ہوتا۔(۳) تیسری صورت مخالفت کی یہ ہے کہ مفرد تثنیہ وجمع کے اعتبار سے مخالفت ہو صیغہ صفت مفرد ہو اور بعد والا اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو۔جیسے "ما قائم الزیدان یا ماقائم الزیدون" یہ صورت یقیناً مبتداء کی قسم ثانی ہوگی اور بعد والا اسم ظاہر فاعل قائم مقام خبر ہوگا۔

صرف یہی ترکیب ہوگی۔دوسری ترکیب نہیں ہوسکتی۔" الزیدان " یا

"الـزيـدون" اسم ظاہر مبتداء کی قسم اول ہوا اور صیغہ صفت اس کی خبر مقدم ہو ورنہ قائم میں (ھو) ضمیر مفرد ہوگی۔ جو "الـزيدان" یا "الـزيدون" کی طرف لوٹے گی تو پھر راجع اور مرجع میں مطابقت نہیں ہوگی۔

مبتداء قسم اول اور قسم ثانی میں فرق:

فرق کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) مبتدا کی دوسری قسم مشتق ہوتی ہے ہر جگہ میں بخلاف مبتداء قسم اول کے۔ (۲) مبتداء قسم ثانی حرف نفی اور حرف استفہام کے بعد واقع ہوتا ہے بخلاف مبتداء قسم اول کے۔ (۳) مبتداء قسم ثانی رافعہ لظاہر بخلاف الاول (۴) مبتداء قسم ثانی مسند بہ ہوتا ہے بخلاف الاول۔

پانچویں بات: مبتداء اور خبر میں عامل کیا ہے؟

"والـعـامـل فِيْهِـمَـا مَـعْنَوِيٌّ وَهُوَ الابتدَاءُ" ترجمہ: اور عامل ان دونوں میں معنوی ہے اور وہ ابتداء ہے یعنی مبتداء اور خبر میں عامل ابتداء ہے۔

مبتداء اور خبر کو رفع دینے والا عامل معنوی ہوتا ہے اور وہ ہے ابتداء یعنی اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا۔

واما عند غیرھم۔ دو مذہب اور بھی ہیں۔

(۱) سیبویہ کہتے ہیں کہ مبتداء میں عامل ابتداء ہے اور خبر میں عامل مبتداء ہے۔

(۲) بعض نحاۃ کہتے ہیں کہ مبتداء عامل ہے خبر میں اور خبر عامل ہے مبتداء میں صحیح مذہب اول ہے۔

چھٹی بات: مبتداء میں اصل کیا ہے؟

یہاں اصل مناسب کے معنی میں ہیں اب مطلب یہ ہوگا کہ مبتداء کا مناسب یہ ہے کہ وہ مقدم ہو اور تقدیم کا راجح ہونا اس وقت ہے جب کوئی مانع نہ ہو۔

مبتداء خبر پر لفظ کے اعتبار سے بھی مقدم ہوتی ہے اور مرتبہ کے اعتبار سے تو ہمیشہ مقدم

ہوتی ہے اگر مبتداء خبر سے مؤخر ہو تو یہ تاخیر صرف لفظ کے اعتبار سے ہوتی ہے کیونکہ مبتداء کا مدلول ذات ہوتا ہے اور خبر کی مدلول حال ہے۔

مبتداء کی اصل جب تقدیم ہے تو اس کے لئے دو مثال پیش کی جارہی ہے۔ (۱) ایک مثال میں تقدیم مبتداء جائز ہے کیونکہ اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آئے گا رتبۃً لازم نہ آئے گا اور یہ جائز ہے۔ (۲) دوسری مثال میں تقدیم مبتداء جائز نہیں ہے کیونکہ اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً دونوں طرح لازم آیا اور یہ نا جائز ہے۔ جہاں تقدیم مبتداء جائز ہے جیسے "فی دارہ زید" میں زید مبتداء ہے دارہ میں ضمیر زید کی طرف راجع ہے اور وہ مقدم ہے۔ اس لئے مرتبہ کے اعتبار سے جب زید مقدم ہے تو اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آئے گا رتبۃً لازم نہ آئے گا اور یہ جائز ہے جہاں تقدیم مبتداء جائز نہ ہو جیسے " صاحبها فی الدار" میں ضمیر (ھا) الدار کی طرف راجع ہے جو خبر کی جگہ میں ہے اور ضمیر سے مؤخر ہے لہذا اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً دونوں طرح لازم آیا اور یہ جائز نہیں ہے۔

ساتویں بات: نکرہ کب مبتداء بنے گا؟

مبتداء معرفہ ہوتا ہے کیونکہ مبتداء محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ میں اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو کیونکہ کسی بھی چیز کو پہچاننے کے بعد ہی حکم لگایا جاتا ہے مجہول چیز پر حکم لگانا درست نہیں اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو کیونکہ خبر محکوم بہ ہوتی ہے اور محکوم بہ میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو۔

نکرہ کس وقت مبتداء بنے گا:

جب نکرہ کسی صفت کے ساتھ موصوف ہو تو نکرہ مبتداء واقع ہوسکتا ہے۔ کیونکہ نکرہ مبتداء موصوفہ میں صفت کی وجہ سے تخصیص آجائیگی پہلے نکرہ عام تھا، بہت سے افراد کو شامل تھا صفت کی وجہ سے خاص ہو جائیگا، قلت اشتراک ہو جائے گا معرفہ تو نہیں بنے گا مگر معرفہ کے قریب ہو جائے گا جیسے "وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ" آیات کریمہ میں پہلے

عبد عام تھا مومن اور مشرک سب کو شامل تھا اب غلام مومن پر صادق آئے گا۔ مشرک کو شامل نہیں ہوگا۔ تو اشتراک کم ہوگیا معرفہ کے قریب ہوگیا لہٰذا اب و لعبدٌ کا مبتداء بننا صحیح ہے۔

ترکیب:

و لعبدٌ موصوف مؤمن صفت موصوف صفت مل کر مبتداء خیرٌ اس کی خبر ہے من مشرک جار مجرور ظرف لغو خیر کے ساتھ متعلق ہے۔

اسی طرح نکرہ اس وقت بھی مبتداء واقع ہوسکتا ہے جب صفت کے علاوہ دوسری وجوہ تخصیص میں سے کسی وجہ سے تخصیص ہوجائے۔

کل وجوہ تخصیص چھ ہیں:

(۱) ایک وجہ تخصیص تو صفت ہے جس کا ذکر ہوچکا ہے۔

(۲) متکلم کے علم کے اعتبار سے تخصیص جب نکرہ ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہو تو جس کے ساتھ ام متصلہ استعمال ہورہا ہو اس نکرہ میں بھی تخصیص آجاتی ہے۔ جیسے "ارجلٌ فی الدار اَم امرأۃٌ" (کیا گھر میں مرد ہے یا عورت) اس مثال میں رجلٌ اور امرأۃٌ نکرہ مخصصہ ہوکر مبتداء ہیں فی الدار خبر ہے۔

سائل یہ جانتا ہے کہ مرد یا عورت میں سے کوئی گھر میں ہے لیکن صرف وہ یہ چاہتا ہے کہ اے مخاطب تو صرف متعین کرکے بتا کہ گھر میں مرد ہے یا عورت تو مخاطب جواب میں رجلٌ یا امرأۃٌ کہے گا، ہمزہ استفہام کا ام متصلہ کے ساتھ استعمال تعین سے سوال کرنے کے لئے ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے جواب میں رجلٌ کہا جائے گا یا امرأۃ تاکہ متعین ہوجائے۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ "رجلٌ فی الدار ام امرأۃٌ" میں رجلٌ اور امرأۃٌ اگرچہ نکرہ ہیں مگر عام نہیں بلکہ علم متکلم کی وجہ سے خاص ہے اس لئے مثال مذکور میں بھی رجلٌ اور امرأۃٌ میں تخصیص پیدا ہوگئی اور ان کا مبتداء ہونا صحیح ہوگیا۔

(۳) نکرہ نفی کے تحت میں واقع ہو۔ جیسے "وَمَا اَحَدٌ خَیْرٌ مِنْکَ" (ترجمہ: اور

نہیں کوئی ایک بہتر تجھ سے)اس مثال میں اَحَدٌ نکرہ مبتداء ہے کیونکہ اس کے شروع میں ما حرف نفی آیا تو اب اس میں عموم پیدا ہو گیا کیونکہ ضابطہ ہے کہ نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا اب مـــا اَحَـدٌ میں احـدٌ سے کوئی ایک فرد غیر معین مراد نہیں بلکہ مخاطب کے علاوہ سارے افراد مراد ہیں۔اس میں تمام افراد کا مجموعہ امر واحد ہو جاتا ہے اور امر واحد شخص ہوتا ہے اس میں ابہام نہیں رہتا اس لئے اس کا مبتداء بننا صحیح ہے۔

اب اگر نکرہ اثبات میں واقع ہو اور اس میں عموم ہو جائے تو وہ بھی مذکور تاویل کی بناء پر مبتداء ہو سکتا ہے۔جیسے "تَـمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جُرادَةٍ"(ترجمہ:ہر کھجور ٹڈی سے بہتر ہے) یہ حکم کسی خاص کھجور کا نہیں بلکہ ہر کھجور کے لئے عام ہے اس تمرۃٌ کا مبتداء ہونا صحیح ہے۔

(۴) تقدیم ما حقہ التاخیر کی وجہ سے نکرہ کا مبتداء بننا صحیح ہوگا۔جیسے "شَـــرٌّ اَهَـــرَّ ذاناَب" (ترجمہ:شر نے بھونکوایا کتے کو)اس مثال میں شَرٌّ نکرہ مبتداء ہے نکرہ کا مبتداء بننا صحیح نہیں لیکن چونکہ اس میں تخصیص پیدا ہو چکی ہے لہٰذا مبتداء بننا صحیح ہے۔" شَـــرٌّ اهَـــرَّ ذاناب" کے معنی وہی ہے جو "مااهر ذاناب الاشر" کے ہیں ما اهرَّ ذاهاب الا شر میں تو تخصیص ما اور الا کی وجہ سے پائی جاتی ہے کیونکہ ما اور الاّ سے حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

اور "شـرٌّ اهر ذاناب" میں تخصیص اس طرح پیدا ہو گئی کہ شَـرٌّ اهر ذاباب اصل میں اهر شرٌّ ذاناب تھا۔

شـرٌّ اهر کی هُوَ ضمیر سے بدل ہے یعنی (هُوَ ضمیر فاعل ہے) اور شَرٌّ اس سے بدل واقع ہے اور بدل فاعل حکمی ہوتا ہے فاعل کا درجہ فعل کے بعد ہوتا ہے تو جب شـرٌّ فاعل حکمی کو اهر فعل پر مقدم کر دیں گے تو تقدیم ما حقہ التاخیر سے تخصیص پیدا ہو جائے گی۔

اعلم ان المهر الخ:

کُتّے کی آواز دو طرح ہے۔(۱) معتاد (۲) غیر معتاد۔(۱) معتاد آواز کی پھر دو (۲) قسمیں ہیں۔(۱) جاننے پہچانے والے شخص کو دیکھ کر بھونکے اس سے خیر مراد ہے۔(۲) اجنبی شخص کو دیکھ کر بھونکے اس سے شر مراد ہے۔

اب عبارت کا مطلب یہ ہوگا کتے کو شر نے بھونکایا ہے نہ کہ خیر نے تو اس میں شر کا اثبات ہے اور خیر کی نفی ہے اسی کو تخصیص کہتے ہیں۔(۲) اور اگر کتّا غیر معتاد آواز سے بھونکے تو اس کا سبب صرف شر ہوتا ہے خیر نہیں ہوتا۔

لہٰذا اس صورت میں ایک کا اثبات ہے اور اس کے غیر کی نفی نہیں ہوسکتی کیونکہ شر کے علاوہ خیر کا احتمال ہی نہیں تو پھر خیر کی نفی کیسے کی جاسکتی ہے۔

تو اس صورت میں تخصیص کے لئے دو طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں۔(۱) یہاں شَرٌّ کی صفت محذوف ہے اصل میں شَرٌّ عظیمٌ اھر ذاناب ہے تو شرٌّ میں صفت مقدرہ کی وجہ سے تخصیص آگئی شرٌّ موصوف عظیمٌ صفت۔ صفت کو حذف کردیا گیا ہے۔(۲) یا یہ کہا جائے کہ شَرٌّ میں تنوین تعظیم کی ہے جو شر کے عظیم ہونے پر دال ہے تو معنی یہ ہوگا" شرٌّ عظیمٌ لاحقیرٌ اَھَرَّ ذَاناب" (بڑے شر نے کتے کو بھونکوایا ہے نہ کہ حقیر شر نے) تو اب شر عام نہ رہا بلکہ خاص ہوگیا ہے۔ لہٰذا مبتداء بننا صحیح ہے۔

(۵) خبر کے مقدم ہونے کی وجہ تخصیص ہو۔ جیسے "فی الدار رجلٌ" (ترجمہ: گھر میں آدمی ہے) اس مثال میں خبر مقدم ہے جو فی الدار ہے، تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ خبر کا درجہ مبتداء سے مؤخر ہوتا ہے تو جب خبر کو مقدم کردیں گے تو تقدیم ماحقہ التاخیر سے تخصیص پیدا ہوجائے گی۔

(۶) متکلم کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے تخصیص ہو جیسے سلام علیک میں سلام نکرہ مبتداء ہے یہاں سلام نکرہ نسبت الی المتکلم کی وجہ سے مخصص بن چکا ہے لہٰذا اس کا مبتداء بننا صحیح ہے۔

نسبت الی المتکلم کی وجہ سے مخصص اس لئے ہے کہ یہ جملہ اسمیہ معدول ہے جملہ فعلیہ سے اصل میں "سَلَّمْتُ سَلاماً عَلَیْکَ" تھا سلمتُ کو حذف کیا گیا اور سلاماً مصدر کے نصب کو رفع سے بدلا گیا تاکہ یہ جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی کی طرف تبدیل ہوجائے اور دوام اور استمراری والا معنی حاصل ہوجائے۔ کیونکہ اس کو مبتداء بنانا ہے اور

مبتداء پر رفع آتا ہے تو معلوم ہوا کہ **سلام علیک** میں سلام عام نہیں بلکہ وہ سلام ہے جو متکلم کی طرف منسوب ہے اور **سلام علیک**، **سلامی علیک** کے معنی میں ہے۔ تو نسبت الی المتکلم کی وجہ سے اس میں تخصیص ہے۔

فائدہ:

جملہ اسمیہ سے وہ جملہ اسمیہ مراد ہے جو جملہ فعلیہ سے عدول کر کے جملہ اسمیہ بنایا جاتا ہے تو وہ جملہ اسمیہ دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے۔

هذا هو المشهور الخ:

"**هذا هو المشهور الخ**" سے اختلاف کی طرف اشارہ ہے کہ ماقبل میں جتنی تشریح گزر چکی ہے۔ وہ عام نحاۃ کی تھا بعض نحاۃ کے نزدیک نکرہ کے لئے تخصیص شرط نہیں ہے بلکہ بغیر تخصیص کے نکرہ کو مبتداء بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کا دارومدار افادہ پر ہے کہ مخاطب کو اس سے فائدہ حاصل ہو جائے جیسے "**کوکب انقض السّاعة**" چونکہ ہر شخص کو ستارہ ٹوٹنے کا علم نہیں ہوتا اس لئے ہوسکتا ہے مخاطب کو اس کا علم نہ ہو اور متکلم کے کہنے سے علم ہوا ہو اس لئے اس کا مبتداء بنانا صحیح ہے۔

اور "**رجلٌ قائمٌ**" میں **رجلٌ** کا مبتداء بننا صحیح نہیں اس لئے کہ اس کا علم تو ہر شخص کو ہے کہ کوئی نہ کوئی آدمی دنیا میں کھڑا ہوگا مخاطب کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

وهذا القول اقرب للصواب:

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ شارح کو بعض نحاۃ وھو ابن الدھنی کی رائے پسندیدہ ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کر رہے ہیں اور پسند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ماقبل تخصیصات میں کتنے تکلفات اختیار کرنے پڑتے ہیں اس کا مشاہدہ آپ نے کر لیا اور بعض نحاۃ کی رائے اس سے پاک ہے۔

آٹھویں بات: خبر کبھی کبھار جملہ بھی ہوتی ہے:

جیسا کہ خبر مفرد ہوتی ہے اسی طرح جملہ بھی واقع ہوتی ہے۔ پھر جملہ عام ہے خواہ جملہ اسمیہ ہو۔ جیسے "**زیدٌ ابوهُ قائمٌ**" **زیدٌ** مبتداء اول **ابوهُ** مضاف مضاف الیہ سے

مل کر مبتداء ثانی قـائـمٌ خبر ہے۔ مبتداء اپنے خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر پھر یہ خبر ہے مبتداء اول کی۔ یا جملہ فعلیہ ہو جیسے " زیدٌ قَـامَ ابُوْہٗ" زیدٌ مبتداء قـام فعل ابوہ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل ہوا فعل کے لئے فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی۔ یا جملہ شرطیہ ہو جیسے ''زیدٌ ان جاء نی فاکرمتہٗ زیدٌ'' مبتدا ان حرف شرط جـاء فعل ھـو ضمیر در و مستتر فاعل نون وقایہ یا ضمیر متکلم مفعول بہ فعل اپنے فاعل و مفعول بہ سے مل کر شرط فـا کـرمتـہ میں فاء جزائیہ اکـرمـت فعل با فاعل (ہٗ) ضمیر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل و مفعول بہ سے مل کر جزاء، شرط اپنے جزا سے جملہ شرطیہ ہو کر خبر ہے۔ زیـــدٌ مبتداء کی۔ یا جملہ ظرفیہ ہو خواہ ظرف زمان ہو یا ظرف مکان ہو یا خواہ قائم مقام ظرف ہو (جار اپنے مجرور سے مل کر قائم مقام ظرف ہوتا ہے۔) جیسے ''زیدٌ خلفک'' اصل میں زیدٌ استقرَّ یاثبت خلفکَ ہے۔ (زید ثابت ہے تیرے پیچھے) زید مبتدا خـلـفـک مضاف الیہ مل کر ظرف مکان ہے استقر یا ثبت فعل محذوف کا فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ ظرف مکان سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ مبتدا اپنے خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

جملہ ظرفیہ کو مصنفؒ نے ذکر نہیں کیا اس لئے کہ وہ جملہ فعلیہ میں داخل ہے اسی طرح جملہ شرطیہ بھی جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ میں داخل ہے کیونکہ جملہ شرطیہ اپنی جزاء کے تابع ہوتا ہے اور جزا کبھی جملہ فعلیہ ہوتی اور کبھی جملہ اسمیہ اس لئے جملہ شرطیہ ان دونوں میں داخل ہے۔

لیکن راقم الحروف نے ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس لئے ان دونوں کی تعریفیں بھی ذکر کر لیں۔

خبر جب جملہ واقع ہو تو اس میں ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو کہ مبتداء کی طرف لوٹے کیوں کہ جملہ فی نفسھا ایک مستقل چیز ہے اور خبر کا مبتداء کے ساتھ ربط ہونا ضروری ہے لہٰذا جملہ خبریہ کو مبتداء کے ساتھ ربط دینے کے لئے عائد کا ہونا ضروری ہے۔ اسی رابط کو عائد کہتے

ہیں۔اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) کبھی ضمیر ہوتی ہے۔ جملہ اسمیہ کی مثال۔ جیسے "زید ابوهٗ قائم" اور جملہ فعلیہ کی مثال۔ جیسے " زیدٌ قام ابوهٗ" میں (هٗ) ضمیر راجع ہے دونوں جگہوں میں زید کی طرف۔

(۲) اور کبھی الف لام تعریف ہوتا ہے جیسے " نعم الرّجل زیدٌ" نعم فعل الرجل فاعل، فعل فاعل خبر مقدم ہے زیدٌ مبتدأ موخر ہے۔اس مبتدأ کے ساتھ خبر مقدم کو ربط دینے والا الرجل کا الف لام ہے۔

(۳) اور کبھی اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ رکھ کر مبتداء کے ساتھ ربط دیا جاتا ہے۔ جیسے "الحاقة ماالحاقة" الحاقة مبتداء ہے اور ما استفہامیہ پھر مبتداء دوسرا الحاقه اس کی خبر مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی۔

یہاں دوسرا الحاقة اسم ظاہر (هی) ضمیر کی جگہ آ گیا اصل عبارت یوں تھی "الحاقة ماهی" اسی طرح " القارعة ماالقارعة"

(۴) اور کبھی خبر کا مبتداء کی تفسیر واقع ہونا عائد ہوتا ہے۔ جیسے " قُلْ هو الله احد" اس میں ضمیر شان ہے۔هو مبتدا ہے اور مبتداء ثانی "الله احد" خبر ہے۔ مبتداء ثانی کی۔ جو (هو) مبتدا کی تفسیر ہے مفسّر اور تفسیر کے درمیان ربط ہوتا۔

<u>وقد يحذف الخ:</u>

مبتداء اور خبر کے درمیان جو ربط ہوتا ہے تو جب کوئی قرینہ پایا جائے تو اس کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے " البرّ الكرُّ بستين دِرْهماً والسمن منوان بدرهم"۔

اصل یوں تھا "البُرُّ الكر منه بستين درهمًا والسمن منوان منه بدرهم" ان میں منہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔

قرینہ یہ ہے کہ گندم اور گھی کا بیچنے والا فروخت کرتے وقت انہیں کا نرخ بتائے گا کسی دوسری چیز کا نہ بیان کرے گا۔ من کے معنی اردو میں (سیر) کے ہیں اور کُـــر کا معنی (ایک پیمانہ ہے جو بارہ وسق کا ہوتا ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا اور ایک صاع ہمارے ملکوں میں

تین سیر دس چھٹانک کا ہوتا ہے)۔

خبر اگر ظرف ہوتو پھر ظرف اولاً دو قسم پر ہے۔(۱) ظرف حقیقی (۲) ظرف مجازی۔ ظرف حقیقی ظرف زمان کو کہتے ہیں۔ظرف مجازی ظرف مکان اور جار مجرور کو کہتے ہیں۔

ظرف باعتبار متعلق کے دو قسم پر ہے۔

(۱) ظرف لغو (۲) ظرف مستقر۔ظرف مستقر کے متعلق میں مذاہب ہیں ظرف مستقر کے متعلق میں دو مذہب ہیں۔

(۱) بصریین کے نزدیک ظرف کا عامل فعل نکالا جائے گا کیونکہ فعل ہی کے مقدر ماننے کی صورت میں یہ خبر جملہ بن سکتی ہے یعنی فی الدار کا عامل حَصَلَ فعل ہوگا۔

(۲) کوفیین کے نزدیک فی الدار کا عامل اسم فاعل حاصل نکالا جائے گا۔ کیونکہ خبر میں اصل یہ ہے کہ مفرد ہو اور یہ اسم فاعل کی تقدیر میں ہو سکتا ہے فعل کی تقدیر میں نہیں۔

نویں بات: مبتداء کو خبر پر کتنی جگہوں پر مقدم کرنا واجب ہے اور خبر کو مبتداء پر کتنی جگہوں پر مقدم کرنا واجب ہے؟

مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا چار جگہوں میں واجب ہے۔

(۱) مبتدا ایسے معنی پر مشتمل ہو جو صدارۃ الکلام کو چاہتا ہے تاکہ اس کی صدارت باقی رہے جیسے "مَنْ ابوک" سیبویہ کے نزدیک اس مثال میں مَن حرف استفہام ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ شروع میں آئے مَنْ مبتدا ہے ابوک خبر ہے۔لیکن بعض حضرات کا مذہب یہ ہے کہ ابوک مبتدا ہے مَن خبر ہے لیکن یہ مذہب ضعیف ہے اس وجہ سے اس کو بعض النحاۃ سے تعبیر کیا ہے۔

(۲) مبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو کیونکہ یہ مبتدا ہے اور یہ خبر ہے۔جیسے "زید المنطلق" اس میں دونوں اسم معرفہ ہیں اور قرینہ موجود نہیں جس سے

ایک کا مبتداء ہونا اور دوسرے کا خبر ہونا معلوم ہو جائے اس لئے متعین کرنا پڑا کیونکہ جو مقدم ہے وہی مبتداء ہے۔

خلافًا للامام الرازی کیونکہ ان کے نزدیک المنطق خبریت کے لئے متعین ہے۔

فلاالتباس بينهما۔

(۳) مبتداء اور خبر دونوں تخصیص میں برابر ہوں جیسے "**افضل منک افضل منی**" اس مثال میں مبتداء اور خبر تخصیص میں برابر ہیں۔

(۴) خبر مبتداء کا فعل ہو یعنی خبر ایسا کام ہو جو مبتداء سے وجود میں آیا ہو۔ جیسے "**زیدٌ قام**" اس مثال میں قام خبر ہے اور قیام کا وجود زید سے ہوا ہے۔

اس سے پہلے وہ جگہیں تھیں جہاں مبتداء کو مقدم کرنا واجب تھا اور وہ چار تھیں۔ اب ان جگہوں کو بیان کیا جا رہا ہے جہاں خبر کا مقدم کرنا واجب ہے اور یہ بھی چار ہیں۔

(۱) جب خبر مفرد ایسی شی کو متضمن ہو جس کے لئے شروع میں آنا ضروری ہے جیسے "**این زیدٌ**" اس مثال میں این استفہام خبر ہے جس کا شروع میں آنا ضروری ہے۔

خبر مفرد سے مراد یہ ہے کہ صورت کے اعتبار سے جملہ نہ ہو خواہ حقیقۃً جملہ ہو جیسا کہ بصریین کا مذہب ہے کہ وہ ظرف کا عامل فعل نکال کر اس کو جملہ کہتے ہیں یا حقیقۃً بھی جملہ نہ ہو جیسا کہ کوفیین کا مذہب ہے۔

(۲) خبر ایسی ہو کہ اگر خبر کو مقدم نہ کیا جائے تو مبتداء کا مبتدا بننا صحیح نہ ہو۔ جیسے "**فی الدار رجلٌ**" اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۳) مبتداء میں کوئی ضمیر ایسی ہو جو خبر کے متعلق کی طرف راجع ہو۔ جیسے "**علی التمرة مثلها زبدًا**" اس مثال میں **مثلها زبدًا** مبتدا ہے اور **علی التمرة** خبر ہے جس کی طرف **مثلها** کی ضمیر (ۂ) راجع ہے۔ یا "**ام علی قلوب اقفالها یا فی الدار صاحبها**" وغیرہ۔

(۴) اَنّ مفتوحہ اپنے اسم و خبر سے مل کر مفرد کی تاویل میں ہو کر مبتدا اور اس کی کوئی

خبر ہو۔جیسے "عندی انّک عالمٌ' اس مثال میں اَنّ اپنے اسم وخبر سے مل کر مبتدأ مؤخر اور عندی اپنے عامل سے مل کر خبر مقدم ہے۔

دسویں بات: ایک مبتداء کے لئے بہت سی خبریں بھی ہوتی ہیں اور تعدد کی کتنی قسمیں ہیں۔

ایک مبتدا کے لئے بہت سی خبروں کا ہونا جائز ہے کیونکہ مبتداء ذات ہے اور خبر صفت وحال وحکم ہے تو ایک ذات کی کئی صفات واحوال ہو سکتے ہیں اور کئی احکام جاری ہو سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان صفات میں تضاد وتناقض نہ ہو لہٰذا یہ کہنا درست نہیں ہے۔" زیدٌ عالم و جاھل" کیونکہ عالم وجاہل میں تضاد وتناقض ہے۔

پھر متعدد خبروں کے ذکر کرنے کی دو صورتیں ہیں۔(۱) عطف کے ساتھ جیسے "زیدٌ عالم و عاقلٌ"۔(۲) بغیر عطف جیسے" زیدٌ عالم عاقلٌ"

فائدہ:

مبتداء متعدد ہو اور خبر واحد ہو یہ بھی جائز ہے مگر قلیل ہے۔جیسے " زید عمروٌ رجلان"

گیارہویں بات: مبتداء اور خبر کے مشترکہ احکام:

مبتداء شرط کے معنیٰ کو متضمن ہو تو اس وقت خبر جزا کے مشابہ ہوگی۔اس لئے خبر پر فاء کا داخل کرنا صحیح ہے۔معنی الشرط سے کیا مراد ہے؟:

شرط کے معنی سے مراد یہ ہے کہ اول ثانی کے وجود کے لئے سبب ہو یا ثانی کے ساتھ حکم لگانے کا سبب ہو۔(۱) مبتدا شرط کے معنیٰ کو متضمن ہے اور اس وجہ سے اس کی خبر پر فاء آتا ہے۔مشہور صورتیں دس ہیں۔

(۱) مبتداء اسم موصول ہو جس کا صلہ جملہ فعلیہ ہو۔جیسے '' الذی یاتینی فله درهم"

(۲) مبتداء اسم موصول ہو جس کا صلہ جملہ ظرفیہ ہو۔جیسے" الذی فی الدار فله درهم"

(۳) موصوف بالموصول بفعل۔جیسے" قل ان الموت الذی تفرون منه فانه ملاقیکم"

(۴) موصوف بالموصول ظرف۔ جیسے "ان العبدالذی فی المسجد فله درھم"

(۵) مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ ہو۔ جیسے " کل رجل یقول الحق فشجاع کل رجل یاتینی فله درھم"

(۶) مبتداء ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملہ ظرفیہ ہو۔ جیسے قولہ علیہ السلام "کل دم فی الجاهلیة فهو موضوع تحت قدمی"

(۷) مبتدا ایسا اسم ہو جو ایسے نکرہ کی طرف مضاف ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ ہو۔ جیسے "کل غلام رجل یاتینی فله درھم "

(۸) مبتدا ایسا اسم ہو جو ایسے نکرہ کی طرف مضاف ہو جس کی صفت جملہ ظرفیہ ہو۔ جیسے " کل غلام رجل فی الدار فله درھم"

(۹) نکرہ محض مضاف الیہ واقع ہو جائے لفظ کل کا۔ جیسے " کل تقی ونقی فهو الی"

(۱۰) مبتداء واقع ہو جائے اما کے بعد۔ جیسے " اما الوالد فرحیم"

" ولیت ولعل"

اگر ایسے مبتدا پر داخل ہو جائیں گے تو پھر اس کی خبر پر فاء نہ آئے گی۔ کیونکہ مبتدا شرط کے مشابہ ہوتا ہے اور خبر جزاء کے مشابہ ہوتا ہے تو یہ مشابہت ختم ہو جائے گی کیونکہ شرط و جزا اخبار کے قبیل سے ہیں۔ اور لیت ولعل انشاء کی قبیل سے ہیں تو اخبار وانشاء دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لیت ولعل کی خبر پر فاء داخل نہیں ہوتا ہے۔ یہ نحاۃ کا اتفاقی فیصلہ ہے اس وجہ سے "لیت ولعل الذی یاتینی او فی الدار فله درھم" نہ کہا جائے گا۔

لیت ولعل کے حکم میں بعض حضرات نے اِنَّ مکسورہ کو بھی داخل کیا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اِنَّ مکسورہ ان کے حکم میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ اِنَّ کی خبر پر فاء ہے۔

جیسے " اِنَّ الذی کفروا وماتوا وهم کفار فلن یقبل من احدهم "اس آیات میں فلن یقبل اِن کی خبر ہے اور اس میں فاء داخل ہے۔

بعض حضرات نے اَن مفتوحہ اور لکن کو بھی لیت و لعل کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

مصنفؒ نے اِنَّ مکسورہ کوالحاق کے ساتھ کیوں خاص کیا۔ اِنَّ بالکسرہ کولیت ولعل کے ساتھ لاحق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے قول کا احترام کرتے ہوئے،ایسا کیا حالانکہ ان کی بات بھی صحیح نہیں ہے۔جیسا کہ اللہ پاک کا قول اس پر شاہد ہے۔

اَنَّ بالفتح کا مانع نہ ہونا بھی اللہ پاک کے قول "وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ" سے ثابت ہے۔اورلکن کے مانع نہ ہونے پر شاعر کا یہ قول ہے۔

فواللہ ما فارقتکم قالیًا لکم ولکن مایقتضی فسوف یکون

آیت میں فَاَنَّ لِلّٰہِ خبر ہے اوراس پر فاء داخل ہے۔شعر میں فسوف یکون خبر ہے اوراس پر فاء داخل ہے۔ترجمہ: خدا کی قسم میں نے تم سے جدائی کسی دشمنی کی وجہ سے اختیار نہیں کی بلکہ بات یہ ہے کہ خدا کا فیصلہ کوئی ٹال نہیں سکتا مقدر میں جدائی لکھی تھی وہ ہوکر رہی۔

<u>بارہویں بات: مبتداء کا حذف:</u>

مبتداء کوکبھی قرینہ لفظیہ یا عقلیہ کے پائے جانے کی وجہ سے حذف کردیا جاتا ہے یہ حذف دوطرح ہے۔(۱) جوازاً۔(۲) وجوباً۔مبتدا کا حذف جوازاً ووجوباً اس وقت کردیا جاتا ہے جب صفت کوموصوف سے جدا کرکے اس پر رفع دیا جائے۔وجوباً کی مثال۔جیسے " الحمدللہ اھل الحمد" اس میں "اھل الحمد" لفظ اللہ کی صفت ہے جس پر جرآنا چاہئے مگر موصوف سے اس کو جدا کرکے مرفوع پڑھا گیا ہے۔اس کی تقدیر عبارت یوں ہوگی۔" ھو اھل الحمد" دوسری مثال " الحمدللہ رب العالمین" (بالرفع) یہ خبر ہے مبتداء محذوف کے لئے "ای ھو رب العالمین"

جوازاً کی مثال مستہل کا مقولہ " الھلال واللہ " اس مثال میں "الھلال واللہ" سے پہلے ہذا مبتدا محذوف ہے جس کوقرینہ حالیہ کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے۔

ایک اعتراض ہوتا ہے کہ مبتداء محذوف کی مثال کے لئے توصرف الھلال کافی ہے الھلال خبر ہے اور ہذا مبتدا محذوف ہے۔واللہ لانے کی کیا ضرورت؟

اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔(۱) چاند دکھانے والوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ ایسے موقع پر قسم کھایا کرتے تھے ان کی عادت کی بناء پر اس کو لائے ہیں۔(۲) یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر لفظ واللہ نہ لاتے تو الہلال پر وقف ہوتا اور وہ ساکن ہوتا تو یہ وھم ہوسکتا کہ الھلال کو رایت فعل محذوف کا مفعول سمجھا جاتا اور اصل عبارت اس کے نزدیک رایت الھلال ہوتی تو واللہ لاکر اس وھم کو دور کردیا۔مبتداء واقع ہو،استفہام کے جواب میں ۔جیسے "وما ادراک ماالحطمة نار اللّٰه ای هی نار اللّٰه" ومثله واصحابه الیمین ما اصحاب الیمین فی سدر مخضود ای هم فی سدر مخضود"۔

وقول الشاعر

قال لی کیف انت قلتُ علیلٌ سهر دائم وحزن طویل ای انا علیل

وبعد فاءالجواب۔جیسے "من عمل صالحاً فلنفسه ومن اساء فعلیها ای فعمله لنفسه واسائته علیها"۔

تیرہویں بات:خبر کس وقت حذف ہوتی ہے؟

خبر کا حذف جوازاً اور وجوباً دونوں طرح ہوتا ہے۔جوازاً ایک (۱) جگہ ہے اور وجوباً چار جگہیں ہیں۔

اگر قرینہ صرف موجود ہو خبر کا کوئی قائم مقام نہ ہو تو خبر کو جوازاً حذف کردیا جائے گا۔ جیسے "خرجتُ فاذا السبع" اس مثال میں خبر واقف محذوف ہے۔تقدیر عبارت یہ ہے،"خرجت ففی وقت خروجی السبع واقفٌ" اس صورت میں اذا مفاجات زمانی کے لئے ہوگا جیسا کہ صاحب اللباب کا قول ہے اور اگر اذا مفاجات مکانی کے لئے ہو تو تقدیر عبارت یوں ہوگی۔"خرجتُ ففی مکانی السبع" اس صورت میں خبر محذوف نہ ہوگی۔جیسا کہ مبردؒ کا قول ہے۔

اور اگر قرینہ بھی ہے اور خبر کا کوئی قائم مقام بھی ہو۔تو وہاں خبر کا حذف کرنا واجب ہے۔تو اس کی چار جگہیں ہیں۔(۱) لولا کے بعد مبتدا ہو اور لولا کی خبر افعال عامہ میں سے

ہو۔جیسے "لولا زید لکان کذا" یہاں قرینہ خودلولا ہے، لکان کذا اس کے قائم مقام ہے۔افعال عامہ کون۔ثبوت۔وجود۔حصول۔اگر خبر افعال سے نہ ہو افعال خاصہ میں سے ہوتو پھر حذف واجب نہیں جیسے امام شافعیؒ کے اس قول میں موجود ہے۔فرماتے ہیں۔

ولولا الشعر بالعلماء یزری   لکنتُ الیوم الشعر من لبید

اس میں الشعر مبتدا ہے اور یزری اس کی خبر موجود ہے کیونکہ افعال عامہ سے نہیں ہے۔اس سے پہلے یہ شعر ہے۔

لولا خشیة الرحمن عندیً   جعلتُ الناس کلهم عبیدی.

دونوں شعروں کا ترجمہ یہ ہے۔

اگر اللہ پاک کا خوف مجھ کو نہ ہوتا تو تمام لوگوں کو میں اپنا غلام بنالیتا۔

اور اگر شعر گوئی علماء کو عیب نہ لگاتی تو میں آج لبید سے بڑھ کر شاعر ہوتا۔حضرت لبیدؓ حضورﷺ کے صحابی ہیں۔بہت فصیح وبلیغ شاعر ہیں۔

لولا کے بعد مبتداء کا ہونا اور اس کی خبر کا واجب الحذف ہونا۔بصریین حضرات کا مذہب پر ہے ان کے علاوہ دو اور مذہب ہیں۔

(۱) امام کسائیؒ (۲) امام فراءؒ

امام کسائیؒ فرماتے ہیں کہ لولا کے بعد جو اسم ہوتا ہے وہ مبتداء نہیں ہوتا فاعل ہوتا ہے فعل محذوف کا تقدیر عبارت "لولا وجد زیدٌ" ہے۔

امام فراءؒ فرماتے ہیں کہ لولا اسماء افعال میں سے ہے لہذا وہ خود اس اسم کے لئے رافع ہوگا ان کے نزدیک لولا وجد کے معنی میں ہوگا۔وجد لولا کے لئے فاعل ہے۔

(۲) مبتداء مصدر ہو خواہ (۱) حقیقۃً یا (۲) تاویل کے بعد مصدر ہو اور اس مصدر کی نسبت فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف ہو پھر اس کے بعد کوئی اسم ہو جو فاعل یا مفعول یا دونوں سے حال واقع ہو۔یا (۳) مبتداء اسم تفضیل ہو جس کی اضافت مصدر کی طرف ہو (۴) یا مصدر تاویل کی طرف ہو۔ان صورتوں میں خبر کا حذف واجب ہے۔مزید تفصیل

شارحؒ نے خود کتاب میں کی ہے۔(۵) یا مبتداء کی خبر افعال عام میں سے ہو۔

(۳) مبتداء کی خبر مقارنت کے معنی پر مشتمل ہو اور مبتدا پر کسی اسم کا عطف ایسے واو کے ذریعہ کیا جائے جو مع کے معنی میں ہو۔ جیسے کل رجل وضیعۃ اس مثال میں کل رجل پر وضیعۃ کو بمعنی مع واؤ کے ذریعہ سے عطف کیا گیا ہے تو چونکہ واو بمعنی مع خبر یعنی مقرون پر دلالت کرتا ہے اور معطوف، معطوف علیہ کے قائم مقام ہے اس لئے قرینہ اور قائم مقام دونوں موجود ہیں، ان تین شرائط کے پائے جانے کی وجہ سے خبر کو حذف کردیا جائے گا مقارنت عطف۔ واؤ بمعنی مع۔ جیسے "کل رجل وضیعۃ ای کل رجل مقرونٌ وضیعۃ"

(۴) جب مبتداء مقسم بہ ہو اور اس کی خبر لفظ قسم ہو۔ جیسے "لَعَمْرُکَ لَاَفْعَلَنَّ کذا" اس کی اصل لعمرک قسمی لافعلن کذا ہے۔ لعمرک مبتدا ہے جس کی قسم کھائی جارہی ہے اور لفظ قسمی خبر ہے اس کو حذف کردیا گیا ہے اس لئے (لام) قسم پر دلالت ہے جو قرینہ ہے اور جواب قسم اس کا قائم مقام ہے تو قرینہ اور قائم مقام دونوں کے پائے جانے کی وجہ سے خبر کا حذف واجب ہوگیا۔ ترکیب لعمرک لام ابتدائیہ تاکیدیہ عمرک مضاف مضاف الیہ مبتداء اور خبر حذف شدہ ہے لفظ قسمی بمعنی ما اقسم بہ کے ساتھ۔

قولہ خبر اِنَّ واخواتھا الخ:

جب مصنفؒ مرفوعات کی قسم ثالث اور رابع کی تعریف اور احکام کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب مرفوعات کی قسم خامس کو بیان کرتے ہیں۔ قسم خامس خبر انَّ واخواتھا ہے۔

خبر اِنَّ واخواتھا میں پانچ چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) اِنَّ واخواتھا کے عامل ہونے میں اختلاف

(۲) ان حروف کا نام کیا ہے اور کتنے ہیں؟

(۳) ان کی تعریف کیا ہے؟

(۴) ان حروف کا معاملہ احکام، اقسام وشرائط میں خبر مبتدا کی طرح ہے۔

(۵) ان حروف کی مشابہت مبتداء اور خبر کے علاوہ کسی چیز میں نہیں ہے۔

پہلی بات: اِنَّ و اخواتھا کے عامل ہونے میں اختلاف:

بصریین اور کوفیین کے درمیان میں اختلاف ہے۔ بصریین کہتے ہیں کہ خبر اور مبتداء پر جب یہ حروف داخل ہوتے ہیں تو خبر مرفوع ہوگا اور مبتدا اسم، منصوب ہوگا کیونکہ اِنّ واخواتھا کی خبر مرفوعات کی مستقل قسم ہے۔ کوفیین کہتے ہیں کہ اِنَّ اور اس کے اخوات صرف اسم میں عامل ہیں کیونکہ خبر جس طرح پہلے عامل معنوی کی وجہ سے مرفوع تھی ان حروف کے داخل ہونے کے بعد بھی عامل معنوی کی وجہ سے مرفوع رہے گی۔ ان حروف کا اثر خبر میں نہ ہوگا۔

لیکن شارحؒ کو بصریین کا مذہب مختار تھا اس لئے علی المذہب الاصح کہا۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ ان حروف کے داخل ہونے سے پہلے خبر پر رفع عامل معنوی کی وجہ سے تھا جیسا کہ مبتدا پر رفع عامل معنوی کی وجہ سے تھا لیکن جب یہ حروف مبتدا اور خبر پر داخل ہوئے تو دونوں پر ان ہی حروف کا اثر ہوگا، عامل معنوی کا اثر دونوں سے ختم ہو جائے گا۔

لہٰذا اب خبر پر رفع ان حروف کی وجہ سے آئے گا نہ کہ عامل معنوی کی وجہ سے۔

دوسری بات: ان حروف کا نام کیا ہے اور کتنے ہیں؟

ان حروف کا نام حروف مشبہ بالفعل ہے ان حروف کا یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ فعل کے ساتھ مشابہ ہیں۔ لفظاً ومعناً اور عملاً اور یہ چھ حروف ہیں۔ جیسا کہ آئے ہیں ناظم کے اس قول میں

اِنَّ بَانَّ کانَّ لیت لکن لعل　　　ناصب اسم ند رافع در خبر ضد ماولا

لفظی مشابہت یہ ہے کہ جس طرح فعل ثلاثی اور رباعی ہوتا ہے اسی طرح یہ حروف بھی ایسے ہیں کہ بعض کے اندر تین (۳) حروف ہیں۔ جیسے "اِنَّ ، اَنَّ ، لیت" اور بعض کے اندر چار (۴) حروف ہیں۔ جیسے "لعل، کانَّ ، لکنَّ"

معنوی مشابہت یہ ہے کہ اِنَّ اَنَّ حَقَقْتُ کے معنی میں ہے اور یہ ماضی ہے۔ کانَّ تشبّھتُ

کے معنی میں ہے اور یہ ماضی ہے، لَیْتَ تمنّتُ کے معنی میں ہے اور یہ ماضی ہے۔ لعلّ ترجیتُ کے معنی میں ہے اور یہ ماضی ہے۔ لکنّ استدراکتُ کے معنی میں ہے اور یہ ماضی ہے۔

عمل میں مشابہت یہ ہے کہ جیسے فعل متعدی دو اسموں پر داخل ہوتا ہے ایک کو رفع دوسرے کو نصب دیتا ہے، اسی طرح یہ حروف بھی دو اسموں پر داخل ہوتے ہیں، ایک کو رفع دوسرے کو نصب دیتے ہیں۔ اور جب ان کی مشابہت فعل کے ساتھ ہوتی ہے تو ان کا عمل بھی فعل کے ساتھ مشابہ ہوگا، اور قاعدہ یہ ہے۔ کہ مشبہ فرع ہے مشبہ بہ کا اس لئے ان کا عمل بھی فرع ہونا چاہیئے۔

فعل کا دو طرح عمل ہوتا ہے۔ (۱) اصلی (۲) فرعی

(۱) اصلی عمل یہ ہے کہ مرفوع پہلے ہو منصوب بعد میں۔ جیسے فاعل پہلے مفعول بعد میں۔ مثال " ضرب زیدٌ عمراً "

(۲) فرعی عمل یہ ہے کہ منصوب پہلے ہو مرفوع بعد میں ہو۔ جیسے مفعول پہلے فاعل بعد میں مثال "ضرب عمراً زیدٌ".

اس لئے ان حروف کا عمل فرعی ہونے کی وجہ سے پہلے منصوب لایا جائے گا جو اِنَّ کا اسم ہوگا اور مرفوع کو بعد میں لایا جائے گا جو اِنَّ کی خبر ہوگی۔

تیسری بات: ان حروف کی تعریف کیا ہے؟

جو ان حروف میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو۔ جیسے " اِنَّ زیداً قائمٌ " اب قائم ان کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے۔

چوتھی بات: وامرہ کامر الخبر المبتداء الخ :

ان حروف کا معاملہ احکام، اقسام و شرائط میں اس طرح ہے مبتداء کی خبر طرح ہے۔

اِنَّ وغیرہ کی خبر۔ مبتداء کی خبر کے مشابہ ہے اور یہ مشابہت احکام، اقسام، شرائط سب ہی امور میں ہے۔ (۱) جس طرح مبتدا کی خبر کی قسمیں ہیں کہ وہ مفرد جملہ، معرفہ، نکرہ ہوتی ہے، اسی طرح اِنَّ کی خبر کا حال ہے۔ (۲) جس طرح مبتدا کی خبر کے احکام ہیں کہ وہ کبھی واحد ہوتی ہے کبھی متعدد اور کبھی موجود ہوتی ہے، تو کبھی محذوف اسی طرح ان حروف کی خبر کا

حال ہے۔(۳)اور اِنَّ وغیرہ کی خبر کے لئے بھی وہ شرطیں ہیں جو مبتدا کی خبر کے لئے ہیں مثلاً جب خبر جملہ ہوتو عائد کا ہونا ضروری ہے جس سے ان حروف کے اسم کے ساتھ ربط پیدا ہو جائے۔ جیسے مبتداء کی خبر اگر جملہ ہوتی ہے تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے اور یہ عائد بغیر قرینہ کے حذف نہ کیا جائے گا۔

پانچویں بات:الا فی تقدیمه الخ :

اِنَّ وغیرہ کی مشابہت مبتداء اور خبر کے علاوہ کسی چیز میں مشابہ نہیں ہے۔

وہ یہ ہے کہ مبتدأ کی خبر خود مبتدا پر مقدم ہوسکتی ہے لیکن ان حروف مشبہ بالفعل کی خبر ان کے اسم پر مقدم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ان حروف کا عمل فعل کے عمل کی فرع ہے۔ اور عمل فرعی میں ترتیب یہ ہے کہ منصوب پہلے ہوگا اور مرفوع بعد میں اور حروف مشبہ بالفعل عمل میں ضعیف ہے لہٰذا ان کے عمل کی جو ترتیب ہے وہ یہ ہے کہ منصوب پہلے ہو اور مرفوع بعد میں ہو۔ اگر یہ ترتیب ہے تو عمل کریں گے ورنہ نہیں۔

الا ان یکون الخبر ظرفًا الخ :

ہاں اگر ان حروف کی خبر ظرف ہوتو ان حروف کے اسم پر مقدم ہوسکتی کیونکہ ظرف کلام میں کثرت سے واقع ہوتا ہے تو نحویوں کے ہاں ظرف بمنزلہ محرم کے ہے محرم وہاں داخل ہوتا ہے جہاں غیر محرم داخل نہیں ہوسکتا۔ پھر اگر حروف مشبہ بالفعل کا اسم معرفہ ہو اور خبر ظرف ہوتو خبر کا اسم پر مقدم کرنا جائز ہے۔ جیسے "اِنَّ فی الدار زیداً یا اِنَّ الینا اِیَّابَهُمْ" اور اگر اسم نکرہ ہو اور خبر ظرف ہوتو اسم پر مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسے "اِنَّ مِنَ البیان لسحراً واِنَّ مِنَ الشعر لحکمةً" وبقولہ تعالیٰ "ان مع العسر یسرا اِنَّ لَدَیْنَا اَنْکَالاً"

ان امثلہ میں (۱) الینا، (۲) من البیان، (۳) فی الدار، (۴) من الشعر، (۵) مع العسر، (٦) لَدَیْنَا "یہ خبر واقع ہیں اور اسم پر مقدم ہیں۔ اور یہ تقدیم ظرف کی وجہ سے ہے۔

خبر لاالتی لنفی الجنس الخ:

مرفوعات کی چھٹی قسم لانفی الجنس کی خبر ہے،لائے نفی جنس میں دو چیزیں مطلوب ہیں۔(۱)لانفی الجنس کی تعریف۔(۲)لانفی الجنس کی خبر کوحذف کرنا۔

پہلی بات:لانفی جنس کی تعریف:

لانفی جنس کی تعریف یہ ہے کہ لانفی جنس کی خبر وہ اسم ہے جو مسند ہو "لا" کے داخل ہونے کے بعد۔جیسے " لا غلام رجل ظریفٌ فیھا "۔لائے نفی جنس کا عمل اسی طرح ہے جیسا کہ انّ وغیرہ کا اسم منصوب ہوتا ہے اور خبر مرفوع ہوتی،"وانما عدل عن المثال المشھور وھو قولھم" ہے۔"لارجل فی الدار الخ " لائے نفی جنس کی خبر کی مشہور کی مثال"لارجل فی الدار" ہے اس سے عدول کر کے نئی مثال "لاغلام رجل ظریفٌ فیھا" پیش کی اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ مشہور مثال میں خبر کا التباس صفت سے لازم آتا تھا کیونکہ اس میں احتمال تھا کہ " فی الدار کائن " کے متعلق ہوکر رجل کی صفت ہو اور خبر محذوف ہوتو چونکہ مثال مشہور اپنے ممثل لہ میں نص نہیں ہے اس لئے اس سے عدول کر کے ایسی مثال بیان کی جس میں خبر کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال نہیں۔

دوسری بات:لائے نفی جنس کی خبر کا حذف

(۲)لا کی خبر جب افعال عامہ میں سے نہ ہوتو اس خبر کو کثرت سے حذف کر دیا جاتا ہے کیونکہ لانفی کے لئے ضروری ہے کہ کوئی شی ہو جس کی نفی کی جائے ورنہ نفی کی تحقق نہ ہوگی تو چونکہ نفی منفی پر دلالت کرتی ہے اس لئے اگر ذکر نہ کریں تب بھی کوئی حرج نہیں۔جیسے " لاالہ الا اللہ " یہاں لائے کی خبر موجودٌ محذوف ہے اصل عبارت یوں تھی۔ " لا الہ موجودٌ الا اللہ "

فائدہ:

وبَنُوْ تَمِیْمٍ لا یُثْبِتُوْنَہ الخ

لائے نفی جنس کی خبر کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے لیکن بنوتمیم حضرات کے بارے میں دو

(۲) باتیں ہیں۔(۱) لائے نفی جنس کی خبر کو تو مانتے ہیں لیکن لفظوں میں ظاہر نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک اس لائے نفی جنس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔

(۲) لائے نفی جنس کی خبر نہ لفظاً اور نہ تقدیراً مانتے ہیں بلکہ لائے نفی جنس دراصل اسم فعل ہے انتفی کے معنی میں اس وجہ سے اس کا اسم بمنزلہ فاعل کے ہے جس کے ساتھ وہ تام ہو جائے گا خبر کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔

اسم ما و لا المشبھتین بلیس الخ:

ما ولا المشبتین بلیس میں چار چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) ماولا کی مشابہت لیس کے ساتھ (۲) ماولا کی تعریف وعمل

(۳) ماولا میں فرق۔

(۴) ماولا کے عمل کرنے میں اھل حجاز اور بنوتمیم کا اختلاف

پہلی بات: ماولا کی مشابہت لیس کے ساتھ:

ماولا لیس کے ساتھ مشابہ ہے دو چیزوں میں:

(۱) معنی نفی میں۔(۲) عمل کرنے میں۔(۱) جیسے لیس نفی کے معنی کے لئے آتا ہے اسی طرح ماولا بھی نفی کے معنی کے لئے آتے ہیں۔(۲) جیسے لیس مبتداء وخبر پر داخل ہو کر مبتدا کو رفع اور خبر کو نصب دیتا ہے۔(اسی طرح ماولا بھی مبتداء اور خبر پر داخل ہو کر مبتداء کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔) لیس کی مثال "لیس زیدٌ قائماً"، ما کی مثال " ما زیدٌ قائماً"، لا کی مثال " لا رجلٌ قائماً"

دوسری بات: ما و لا مشبھتین بلیس کی تعریف وعمل:

ما ولا مشبھتین بلیس وہ ہے جو مسندالیہ ہو ان کے داخل ہونے کے بعد۔عمل ما ولا کا یہ ہے کہ مبتدا اور خبر پر داخل ہو کر مبتدا کو رفع اور خبر کو نصب دیتا ہے۔

تیسری بات ما و لا میں فرق:

ماولا میں فرق تین وجہ سے ہے۔(۱) لا نکرہ کے ساتھ خاص ہے اور ما معرفہ ونکرہ دونوں کو شامل ہے۔(۲) لا مطلق نفی کے لئے آتا ہے اور ما نفی حال کے لئے آتا ہے۔(۳)

لا کی خبر پر باء کا داخل ہونا جائز نہیں اور ما کی خبر پر باء کا داخل ہونا جائز ہے۔

فائدہ:

اسی وجہ سے ما کی مشابہت لیس کے ساتھ زیادہ ہے بخلاف لا کے کیونکہ لیس بھی نفی حال کے لئے آتا ہے اور لیس کی خبر پر بھی باء کا داخل ہونا جائز ہے جیسا کہ ما میں دو باتیں ہیں۔

لہٰذا لیس کا عمل لا میں شاذ یعنی قلیل ہے البتہ لا کا عمل مورد سماع پر محدود رہے گا۔ جہاں کلام عرب مین اس کا عمل سنا گیا ہے وہیں عمل کرے گا دوسری جگہ نہیں۔ جیسے مندرجہ ذیل شعر میں لا کو عمل دیا گیا ہے۔

من صد عن نیرانها فانا ابن قیس لابراحٌ ای لابَرَاحٌ لِیُ

اس شعر میں بـراحٌ لا کا اسم ہے اور خبر محذوف ہے وہ لِـیُ ہے یہ لا نفی جنس کا نہیں ہوسکتا کیونکہ لائے نفی جنس کے اسم پر رفع داخل نہیں ہوتا ہے جب تک دوسرا لا مکرر نہ آجائے۔ جیسے " لاحول ولاقوة" اور شعر میں تکرار نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوگیا کہ یہ "لا" لائے نفی جنس کا نہیں ہے۔

چوتھی بات: اھل حجاز اور بنوتمیم کے درمیان اختلاف:

کہ ما ولا عمل کرتے ہیں یہ اہل حجاز کی بات ہے جو ماقبل میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔

بنوتمیم کے نزدیک ما ولا عمل کرتے ہی نہیں وہ کہتے ہیں کہ ما ولا جس طرح پہلے مرفوع تھے تو ما ولا کے داخل ہونے کے بعد بھی مرفوع رہیں گے۔ بنوتمیم کی دو دلیلیں ہیں۔

(۱) عامل کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک نوع کے ساتھ خاص ہو اور ما ولا ایک نوع کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اسم وفعل دونوں پر داخل ہوتے ہیں۔

(۲) شاعر کا قول ہے۔

ومُهَفْهَفٍ کالْغُصْنِ قُلْتُ لَهُ اِنْتَسِب فَاَجَابَ مَا قَتْلُ الْمُحِبِّ حَرَامٌ

اس شعر میں شاعر نے بھی مـا کو عمل نہیں دیا بلکہ حـرامٌ مرفوع پڑھا، نصب نہیں پڑھا حالانکہ پیچھے ما مشبہ بلیس ہے مگر اس نے اس کو عمل نہیں دیا بلکہ قتل الـمـحـب کو مبتداء اور

حرامٌ کوخبر بنا کر مرفوع پڑھا۔

شعر کا ترجمہ: بہت پتلی کمر والے شاخ کی مثل میں نے اس کو کہا کہ تو نسب بیان کر۔ پس اس نے جواب دیا نہیں ہے محب کو قتل کرنا حرام۔

شارحؒ اھل حجازؒ کی تائید میں قرآن پاک سے آیات پیش کرتے ہیں ارشاد باری ہے۔ "ما هذا بشراً" اس آیت کریمہ میں بشراً پر نصب ما کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے اور جب ما کا عامل ہونا ثابت ہوگیا تو لائے کا بھی عامل ہونا ثابت ہوجائے گا کیونکہ جو عامل مانتے ہیں وہ دونوں کو عامل مانتے ہیں۔

بنو تمیم کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ ما ولا کا دخول اسم اور فعل پر علیحدہ علیحدہ حیثیت سے ہے۔

ما ولا جس اسم پر داخل ہوتے ہیں وہ ما و لا وہ نہیں جو فعل پر داخل ہوتے ہیں اسی طرح اس کا عکس ہے۔ لہٰذا یہ اپنی اپنی نوع کے ساتھ خاص ہوئے۔

شعر سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شعر میں حرامٌ ما کی خبر ہے اس پر نصب آنا چاہئے لیکن ضرورت شعری کی وجہ سے اس پر رفع آیا ہے اور منظوم کلام میں ایسا ہوتا ہے۔

نوٹ:

مرفوعات کل آٹھ ہیں لیکن مصنفؒ نے سات ذکر کئے اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ ابن الحاجبؒ نے کان واخواتها کو فاعل میں شمار کیا ہے کیونکہ فاعل مرفوع ہوتا ہے اور ان افعال کا اسم بھی مرفوع ہوتا ہے لہٰذا یہ دونوں ایک ہی قسم پر ہیں۔ اس لئے ساتھ ذکر کر لئے باقی نحویوں نے علیحدہ قسم قرار دیا ہے اس لئے انہوں نے آٹھ ذکر کئے ہیں کہ مرفوعات کل آٹھ ہیں۔

تمت بحث المرفوعات ویلیه بحث المنصوبات

المنصُوبَات

مباحث ثالثہ میں سے دوسری قسم منصوبات ہیں۔ منصوبات کومرفوعات کے بعد اور مجرورات سے پہلے لائے اس کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ مرفوعات اور منصوبات دونوں عامل واحد میں شریک ہیں، دونوں کا عامل فعل ہے۔ جیسے "ضَرَبَ زیدٌ عمراً" بخلاف مجرورات کے کہ ان کا عامل حروف جارہ ہیں۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ منصوبات بنسبت مجرورات کے کثیر ہیں۔ اور جو چیز کثیر ہو وہ مہتم بالشان ہوتی ہے اور جس کی شان زیادہ ہو اس کو پہلے لایا جاتا ہے۔

منصوبات منصوبٌ کی جمع ہے نہ کہ منصوبۃ کی۔ ھُــو ضمیر راجع ہے، منصوب کی طرف

ر المراد بالاشتمال سے ان سب کی بحث مرفوعات میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

منصوب کی تعریف:

منصوب وہ اسم ہے جو مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو پھر مفعول ہونے کی علامتیں چار ہیں۔ (۱) فتحہ (۲) کسرہ (۳) الف (۴) یاء۔ جیسے "رَأَیْتُ زیدًا ومُسْلِمَاتٍ وَاَبَاکَ وَمُسْلِمِیْنَ" زیداً میں فتحہ۔ مُسْلِمَاتٍ میں کسرہ، اباک میں الف، اور مُسْلِمِیْنَ میں یاء علامت ہے۔

اسماء منصوبہ کل بارہ ہیں۔

بالاستقراء وجہ الضبط یہ ہے۔

ان عامل الاسم المنصوب لایخلوا اِمَّا فعل او شبهه او حرف فان کان فعلا او شبهه ممعمولهما لایخلوا اِمَّا من المفاعیل او من الملحقات بها فالاول لایخلوا اِمَّا جزء من مفهوم الفعل اولا فالاول هو المفعول المطلق والثانی لایخلوا اِمَّا ان یکون الفعل واقعاً علیه او فیه او له او معه فالاول هو المفعول به والثانی هو المفعول فیه والثالث هو المفعول له والرابع هو المفعول معه.

وان کان من الملحقات المفاعیل فایضاً لایخلوا اِمَّا مبین اولا. الثانی هو المستثنی والاول اِمَّا مبین للذات او للصفت فالاول هو التمیز والثانی هو الحال وان کان عامله حرفاً فذلک الاسم لایخلوا اِمَّا فی کلام موجب او غیر موجب فالاول هو الاسم الحروف المشبهة بالفعل والثانی اسم لا التی لنفی الجنس.

وان کان مسنداً به فایضاً لایخلوا اِمَّا فی کلام موجب او غیر موجب اَمَّا فهو خبر الافعال الناقصه سویٰ لیس والثانی خبر لیس وخبر ما ولا المشبهتین بِلَیْسَ.

المفعول المطلق الخ:

مفعول مطلق میں کل چھ چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) مفعول مطلق کی تعریف۔ (۲) شارحؒ کی عبارت کی تشریح۔ (۳) مفعول مطلق کی قسمیں۔ (۴) مفعول مطلق باعتبار لفظ کے وہ کتنی صورتیں ہیں۔ (۵) مفعول مطلق کے فعل ناصب کو کب حذف کرنا ہے۔ (۶) وجوبا کی کتنی قسمیں ہیں۔

پہلی بات: مفعول مطلق کی تعریف:

مفعول مطلق اُس اسم کا نام ہے جس کو فعل یا معنیٰ فعل کے فاعل نے کیا ہو خواہ وہ فعل حقیقۃً مذکور ہو یا حکماً نیز وہ فعل اس اسم کے معنیٰ میں ہو۔

دوسری بات: شارح کی عبارت کی تشریح:

والمراد بفعل الفاعل اياه سے مراد یہ ہے کہ فعل فاعل کے ساتھ قائم ہو اور قیام سے مراد یہ ہے کہ فعل کی اسناد فاعل کی طرف صحیح ہو خواہ اسنادِ ایجابی ہو یا سلبی مثلاً "ماضربتُ ضرباً" میں ضرب کی طرف اسناد اگر چہ سلبی ہے لیکن یہ اسناد صحیح ہے۔

"وانما زيد لفظ الاسم" سے مراد یہ ہے کہ مافعلهٗ فاعل فعل مفعول مطلق نہیں ہے بلکہ لفظ اسم مفعول مطلق ہے اور ما فعل فاعل فعل معنی ہے لفظ نہیں ہے۔

وهو اعم من ان يكون مذكوراً حقيقةً او حُكماً الخ

اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ مذکور ہونے میں تعمیم ہے خواہ وہ فعل حقیقۃً پہلے مذکور ہو ۔جیسے "ضربتُ ضرباً" یا حکماً مذکور ہو۔جیسے "فضرب الرِّقاب" یہ اصل میں تھا "فاضربوا ضرب الرِّقَابِ" (مارو تم گردنوں کو مارنا) پھر اضربوا کو حذف کر دیا گیا جو لفظ محذوف ہوتا ہے وہ حکماً مذکور ہوتا ہے کیونکہ ضابطہ ہے کہ "اَلْمَحْذُوْفُ كَالْمَذْكُوْر"۔

بمعناه: یہ فعل کی ثانی صفت ہے اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسم ہو جو فعل کے معنی پر مشتمل ہے تو بھی گویا کہ فعل مذکور ہے۔جیسے "زيدٌ ضَارِبٌ ضرباً" (زید مارنے والا ہے مارنا) اس مثال میں "ضـربـاً" مفعول مطلق ہے اس سے پہلے "ضربت" فعل مذکور تو نہیں لیکن "ضـارِبٌ" ایسا اسم ہے جو فعل کے معنی پر مشتمل ہے۔بمعناه کی قید سے "ضربته تاديبًا" نکل گیا کیونکہ ضربت فعل ہے وہ تادیباً پر مشتمل نہیں بلکہ اس کا عین ہے۔اسی طرح بمعناه کی قید سے کرهت كراهتاً بھی نکل گیا کیونکہ کراہت میں دو اعتبار ہیں۔(۱) فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے اور فعل اس پر مشتمل ہے تو یہ مفعول مطلق ہے مفعول بہ نہیں اس وقت کرہت کراھتاً کہا جائے گا۔ترجمہ ہوگا (میں نے مکروہ سمجھا مکروہ سمجھنا)۔

(۲) فعل اس پر واقع ہے تو یہ مفعول بہ ہے مفعول مطلق نہیں اس وقت کرہت کراہتی کہا جائے گا۔ترجمہ ہوگا (میں نے اپنے کو بُرا سمجھنے کو بُرا سمجھا)۔

تیسری بات: مفعول مطلق کی قسمیں:

مفعول مطلق کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) مفعول مطلق برائے تاکید۔ (۲) مفعول مطلق برائے نوع۔ (۳) مفعول مطلق برائے عدد۔

(۱) پہلی قسم: تاکید کے لئے اس وقت ہوگا جبکہ مفعول مطلق اسی معنی پر دلالت کرے جو معنی فعل مذکور سے سمجھتے ہیں۔ جیسے "ضربتُ ضرباً" مارنے والا معنی پر دلالت کرتا ہے۔ ضرباً بھی اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ دونوں کا معنی ومفہوم ایک ہے۔

(۲) دوسری قسم: نوع مفعول مطلق فعل مذکور کی نوعیت پر دلالت کرے جب اس کا مدلول فعل کی کوئی خاص قسم ونوع ہو۔ جیسے "جَلَسْتُ جِلْسَةُ القَارِی" (بیٹھا ہوں میں قاری جیسا بیٹھنا)

(۳) تیسری قسم بیان عدد۔ فعل کتنی بار واقع ہوا ہے یہ اس وقت ہوگا جب یہ عدد پر دلالت کرے۔ جیسے "جسلتُ جلسةً" یہاں "جلسةً جلستُ" کے معنی پر دلالت کرنے کے ساتھ عدد پر بھی دلالت کرتا ہے معنی ہے (میں ایک مرتبہ بیٹھا)

مفعول مطلق کی تین قسموں میں سے پہلی قسم یعنی تاکید وہ تثنیہ وجمع نہیں آتی اس لئے کہ تاکید ماہیت پر دلالت کرتا ہے اور ماہیت میں تعدد یعنی گنتی نہیں ہے۔ اور تثنیہ وجمع کے لئے عدد ضروری ہے، مفعول مطلق کی باقی دو (۲) قسمیں یعنی نوع وعدد تو اس کا تثنیہ وجمع آئے گا۔ جیسے "جلستُ جلستین وجلساتٍ، بکسر الجیم نوع کے لئے اور بفتح الجیم عدد کے لئے۔

چوتھی بات: مفعول مطلق باعتبار لفظ کے کتنی صورتیں ہیں:

مفعول مطلق کی باعتبار لفظ کے دو (۲) صورتیں ہیں۔ (۱) مفعول مطلق من لفظہ جیسے۔ قولہ تعالیٰ "وکلم الله موسیٰ تکلیماً" (۲) مفعول مطلق من غیر لفظہ پھر اس کی

تین قسمیں ہیں۔

(۱) مفعول مطلق اور فعل باب میں شریک ہو لیکن حروف اصلیہ میں ایک نہ ہو جیسے " قعدتُ جلوسًا" میں قعدت فعل کے حروف اصلیہ اور ہیں اور مفعول مطلق جلوساً کے اور ہیں اور باب ایک ہے۔

(۲) مفعول مطلق اور فعل حروف اصلیہ میں شریک ہو لیکن باب الگ الگ ہو۔ جیسے ''انبة اللہ نباتاً'' میں انبت فعل باب افعال سے ہے اور اور نباتاً مفعول مطلق باب نصر سے ہے۔

(۳) مفعول مطلق اور فعل باب اور حروف اصلیہ میں دونوں کے اعتبار سے الگ الگ ہوں۔ جیسے " فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُوْسیٰ" اَوْجَسَ فعل کا مادہ اور باب ہے کیونکہ "وَجَسَ" سے ہے اور باب افعال ثلاثی مزید فیہ ہے۔ اور خیفةً مصدر مفعول مطلق کا حروف اور باب اور ہے۔ کیونکہ اس کا حروف خوف ہے اور باب ثلاثی مجرد کا ہے۔ لیکن ان سب صورتوں میں یہ ضروری ہے۔ کیونکہ مفعول مطلق باعتبار معنی کے کبھی بھی اپنے فعل کے مغایر نہیں ہوگا۔ ورنہ اس کا مفعول مطلق بنانا ہی صحیح نہیں ہوگا۔ امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ جیسا کہ معنی میں مغایرت نہیں ہوگی اسی طرح لفظ میں بھی مغایر نہیں ہونا چاہئے وہ کہتے ہیں کہ جہاں ایسا ہوگا تو پھر وہاں فعل مقدر نکالا جائے گا۔ جیسے امثلہ مذکورہ میں "قعدت جلوساً" میں جلوساً سے پہلے جسلت نکالیں گے وغیرہ۔

لیکن امام سیبویہؒ کا مذہب کمزور ہے اللہ کے اس قول سے۔ " لایَضُرُّو اللہ شَیْئًا" شیئاً مفعول مطلق ہے اور اپنے فعل "لا یضرُّوْنَہٗ" سے الگ ہے باعتبار مادہ کے۔

پانچویں بات: مفعول مطلق کے فعل ناصب کو کب حذف کرنا ہے؟

وقد یحذف الفعل الناصب المفعول المطلق الخ

جب کوئی قرینہ پایا جائے پھر قرینہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) معنویہ حالیہ جیسے اس شخص کو جو سفر سے واپس آئے آپ کہیں خیر مقدم اصل میں عبارت " قَدِمْتُ قُدُوْمًا خَیْرَ مَقْدَمٍ"

تھا یہاں مخاطب کو حال کے قرینہ سے "اَوَّلاً قَـدِمْـتُ" کو حذف کیا گیا کیونکہ اس کا آنے والا حال دلالت کرتا ہے کہ یہاں وہ فعل محذوف ہے جو اس کے آنے پر دلالت کرے پھر قدوما کو حذف کر کے اس کی صفت خیر مقدم کو اس کے قائم مقام کیا گیا۔(۲) قرینہ مقالیہ لفظیہ جیسے کسی شخص نے پوچھا "کیف ضـربتَ" اس کے جواب میں آپ کہیں" ضـربًا شدیداً" یعنی"ضـربـتُ ضـربـاً شدیداً" اب یہاں ضـربـتُ فعل محذوف ہے اور حذف کا قرینہ سائل کا سوال ہے۔دونوں مثالیں میں حذف جوازی کی ہیں۔

چھٹی بات کبھی مفعول مطلق کے فعل ناصب کو وجوباً حذف کیا جاتا ہے۔

واجب کی دوصورتیں ہیں۔(۱) سماعی (۲) قیاسی

پہلے ان کی تعریفیں بیان ہوں گی۔(۱) سماعی کی تعریف:"یُسْـمَـعَ مِـنَ الْـعَـرَبِ و لایُقَاسُ عَلَیْهِ" اھل عرب سے ایسے ہی سنایا گیا کیونکہ اس پر دوسرے قاعدہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔

(۲) قیاسی کی تعریف:" مـایُسْـمَـعَ مِنَ الْعَرَبِ وَیُقَاسُ عَلَیْهِ" اھل عرب سے ایسا سُنا گیا ہو کہ اس کے لئے کوئی قاعدہ ہو،اس کے وجود پر اور مثالوں قیاس کی جائیں۔

(۱) حذف سماعی کی مندرجہ ذیل مثالوں میں اہل عرب نے فعل ناصب کو حذف کر دیا ہے اس لئے ہم بھی حذف کر دیں گے۔سات مثالیں ہیں۔(۱)" سـقـیـاً ای سقـاک الـله سقیا"۔(۲)"رعیاً ای رعـاک الله رعیًا"۔(۳)" خیبةً ای خاب خیبةً"(اللہ تیری حفاظت کرے)(۴) "جـدعًـا ای جـدع جدعًا "(ناک کان وغیرہ کا ٹا جائے کا ٹا جانا)(۵) "حـمـداً ای حـمـدت حمداً "(٦)" شـکـراً ای شکـرتُ شـکـراً" (۷) "عـجـبًـا ای عـجـبـتُ عجبًا" ان امثلہ میں مفعول مطلق کے عامل کا استعمال اہل عرب سے نہیں سُنا گیا۔

یہاں اعتراض یہ ہوا ہے کہ ان مثالوں میں یہ مثالیں فعل کے ساتھ بھی استعمال ہوتی ہیں۔جیسے " حـمـدت الله حمداً یا شکر ته شکراً "وغیرہ کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے جواب میں یہ کہا ہے کہ یہ فصحاء کا کلام نہیں۔ اور بعض نے کہا کہ ان مصادر کا استعمال جب لام کے ساتھ ہوتا ہے تو اس وقت فعل کا حذف واجب ہے۔ جیسے "حمداً له شکراً له" وغیرہ۔

اعتراض:

حالانکہ مذکور مثالوں میں لام تو نہیں ہے پھر فعل کو کیوں حذف کیا گیا؟

جواب:

اصل میں لام ان امثلہ میں اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔

(۲) مفعول مطلق کے فعل ناصب کو قیاسا سات جگہوں میں حذف کرنا واجب ہے۔

(۱) مفعول مطلق مثبت اور نفی یا معنیٰ نفی یعنی انما کے بعد ہو اور وہ نفی یا معنیٰ نفی ایسے اسم پر داخل ہو کہ مفعول اس اسم کی خبر واقع نہیں ہو سکتی ہے۔ جیسے " ماانت الاسیراً" نکرہ کی مثال " وما انت الا سیر البرید" معرفہ کی مثال ان دونوں مثالوں میں تسیر فعل محذوف ہے یہ حرف نفی کی مثالیں ہیں۔ مفعول مطلق معنیٰ نفی کے بعد واقع ہو۔ جیسے " وانما انت سیرًا" اصل میں تسیر سیراً تھا فعل تیسر کو حذف کر دیا۔

(۲) مفعول مطلق مکرر یعنی دو مرتبہ ذکر ہو۔ جیسے " وزیداً سیراً سیرًا" اصل میں "یسیر یسراً" تھا۔

(۳) مفعول اپنے سے پہلے والے مضمون جملہ کی غرض اور فائدہ کا بیان واقع ہو۔ جیسے "فشدوا الوثاق فامّا منًّا " بعد "واما فِداءً" اس میں۔ "شدوا الوثاق" جملہ ہے اس کا مضمون جملہ " شدو الوثاق " ہے اس کی غرض یا تو مَنّ ہے یا فداء ہے۔

(۴) مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہو یعنی اس کے ساتھ کسی شی کو تشبیہ دی جائے اور وہ افعال جوارح سے صادر ہونے والے افعال میں سے کسی فعل پر دلالت کرے اور وہ جملہ کے بعد ہو اور جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہو جو مفعول کے معنیٰ میں ہو۔ جیسے " مررت زید فاذا له صوت صوت حمار" صوت حمار مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہے لہ ضمیر کے مرجع مثلاً زید کی آواز کو صوت حمار کے ساتھ تشبیہ دی جا رہی ہے۔

اورافعال جوارح میں سے ہو، کیونکہ آواز منہ سے صادر ہوتی ہے اور لہٗ صوت جملہ ہے جس کے بعد واقع ہے اور جملہ ایسے اسم (صوت) پر مشتمل ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں ہے اس لئے مفعول مطلق یعنی صوت حمار سے پہلے یصوتُ فعل محذوف ہے۔

دوسری مثال: جیسے "مررت بزید فاذا لہٗ صراخ صراخ الثکلی" میں صراخ الثکلی سے پہلے "یصرخ" فعل محذوف ہے۔

(۵) مفعول مطلق ایسے جملہ کا خُلاصہ ہو کہ جس جملہ ہی مفعول کے معنی کے علاوہ دوسرا احتمال نہ ہو یعنی دونوں کا مفعول ایک ہو یہ تاکید لنفسہ بھی ہے۔ جیسے "علی الف درھمٌ اعترافاً" اس میں اعترافاً مفعول مطلق ہے۔

(۶) یہ پانچویں جگہ کے برعکس ہے یعنی مفعول کے علاوہ دوسرا احتمال ہو۔ جیسے "زیدٌ قائمٌ حقًا" اصل میں "احق حَقًا" تھا یہاں حقًا اپنے ماقبل زید قائمٌ جملہ کا خلاصہ ہے کیونکہ جس طرح حقًا سے صحیح بات سمجھ میں آتی ہے اسی طرح جملہ سے بھی۔

(۷) مفعول مطلق تثنیہ کی (۱) صورت میں ہو یعنی تثنیہ کے معنی میں نہ ہو اور (۲) تکرار و مبالغہ کے لئے ہو اور (۳) وہ تثنیہ کا صیغہ فاعل یا مفعول کی ضمیر کی طرف مضاف ہو۔ جیسے "لبیک وسعدیک" یہ اصل میں "اُلِبّ لک البابین" اور "اسعدک اسعادین" تھا ان مثالوں میں اُلِبّ اور اسعد فعل کو حذف کردیا گیا ہے۔

المفعول به هُوَ ما وقع علیه فعل الفاعل الخ:

منصوبات کی دوسری قسم مفعول بہ ہے۔ مفعول بہ میں پانچ چیزیں مطلوب ہیں، (۱) مفعول بہ کی تعریف۔ (۲) عامل المفعول بہ (۳) مفعول بہ کو مقدم کرنا فاعل پر (۴) مفعول بہ کے فعل ناصب کو حذف کیا جاتا ہے اور حذف کی قسمیں کتنی ہیں؟ (۵) جوازی کی کتنی قسمیں ہیں اور وجوبی کتنی قسمیں ہیں؟

پہلی بات: مفعول بہ کی تعریف:

مفعول بہ کی تعریف: مفعول بہ نام ہے اس چیز کا جس پر فاعل کا فعل واقع ہو خواہ فعل مثبت ہو جیسے "ضربتُ زیداً" یا منفی ہو۔ جیسے " ماضربتُ زیداً" تعریف میں واقع لفظ سے مراد یہ ہے کہ فعل کا فاعل کے ساتھ تعلق ہو اور تعلق سے مراد یہ ہے کہ بغیر واسطہ حرف جر کے۔ اور فاعل سے مراد یہ ہے کہ فاعل حقیقی یا حکمی ہو۔ تا کہ اعتراضات واقع نہ ہو جائیں۔

دوسری بات: مفعول بہ کا عامل کیا ہیں؟

مفعول بہ کے عامل میں چار مذاہب ہیں۔ (۱) بصریین کہتے ہیں کہ مفعول بہ کا عامل فعل اور شبہ فعل ہیں۔ کوفیین میں تین (۳) جماعتیں ہیں۔ (۱) ہشام نحوی کہتے ہیں کہ مفعول بہ کے عامل فاعل ہے۔ (۲) فراءؒ کہتے ہیں کہ مفعول بہ کا عامل فعل اور فاعل دنوں ہیں۔ (۳) احمر کوفی کہتے ہیں کہ مفعول بہ کا عامل مفعولیت ہے۔

تیسری بات: مفعول بہ کو مقدم کرنا فعل پر:

کبھی مفعول بہ فعل پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ فعل عمل میں قوی ہے، لہٰذا معمول مقدم ہو یا مؤخر ہر صورت میں عمل کریگا۔ جیسے "زیدًا ضربتُ" پھر یہ تقدیم جوازی ہوگی۔ جیسے "الله اعبدو" میں لفظ اللہ مفعول بہ اور اعبدو فعل ہے، دوسری مثال وَوَجهَ الحبیب اتمنی میں اتمنی فعل ہے اور وجہ الحبیب مفعول بہ ہے یا دجوباً مقدم ہوگا جب استفہام کے معنی کو یا شرط کے معنی متضمن ہو جیسے مثال الاستفهام "مَنْ رأیتَ" مثال الشرط جیسے "مَنْ تُکرِمْ یُکرِمکَ" مفعول بہ کی تقدیم فعل پر اگر اس وقت واجب ہے۔ جب کوئی مانع نہ ہوا گر کوئی مانع ہو تو پھر مفعول بہ کو مقدم کرنا واجب یا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ "مِنَ البِرِّ اَنْ تکُفَّ لِسَانَکَ" میں تکُفَّ فعل پہلے ہے اور مفعول لسانک بعد میں واقع ہے۔

چوتھی بات: مفعول بہ کے فعل ناصب کو حذف کیا جاتا ہے:

حذف کی دو قسمیں ہیں۔(۱) جوازی (۲) وجوبی

پانچویں بات: جوازی اور وجوبی کی کتنی قسمیں ہیں؟

وقد یحذف الفعل جوازاً الخ حذف جوازی کی پھر دو صورتیں ہیں۔

(۱) قرینہ حالیہ (۲) قرینہ مقالیہ۔

(۱) قرینہ حالیہ کی مثال جیسے کوئی شخص مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کر کے مکہ کی طرف متوجہ تھا تو آپ اس کو کہیں (مَکَّـہ) یہ مفعول بہ ہے اس کا فعل محذوف ہے۔ اصل عبارت تھی " اَتُرِیْدُ مَکَّۃَ" (کیا تو ارادہ کرتا ہے مکہ کا) تو مخاطب کے قرینہ حالیہ کی وجہ سے (اتُرِیدُ فعل ناصب کو حذف کیا گیا۔(۲) قرینہ مقالیہ لفظیہ کی مثال جیسے زیداً اس شخص کے جواب میں جو کہے "مَنْ اَضْرِبُ" (میں کس کو ماروں) تو یہاں زیدًا سے پہلے "اِضْرِبْ" صیغہ امر حاضر محذوف ہے۔(مار تو زید کو) اور اس کے حذف کا قرینہ سائل کا سوال ہے جب سوال میں فعل ضرب کا ذکر ہے تو جواب میں بھی فعل ضرب محذوف ہوگا نہ کہ کوئی اور۔

وجوباً فی اربعۃ مواضع الخ :

مفعول بہ کے فعل ناصب کو وجوباً حذف کر دیا جاتا ہے اس کی چار جگہیں ہیں۔ ایک جگہ سماعی ہے باقی تین جگہیں قیاسی ہیں۔

مصنفؒ نے چار جگہیں بیان کی ہیں۔ شارحؒ نے فرمایا کہ ان چار مقامات کی تخصیص کثرت مباحث کی وجہ سے ہے تحدید کے لئے نہیں ہے کیونکہ ان چار مقامات کے علاوہ بھی کچھ مقامات ہیں۔ جن میں مفعول بہ کے فعل ناصب کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے "بـاب اغرّا" میں اخاک اخاک فان من لااخ لہ : کساع الی الھجاء بغیر سلاح۔ یہاں اُلْـزِم فعل محذوف ہے اور باب اختصاص میں ندا کی صورت میں۔ جیسے " ارجـونـی

ایھا الفتی ربنا اغفر لنا ایتھا الجماعة" یہاں اخص فعل محذوف ہے۔

باب الاغراء کی دوسری مثال۔ جیسے "مِلّةَ اَبِیْکُمْ ابراھیم" اس مثال میں "مِلَّةَ اَبِیْکُمْ" منصوب علی الاغری یعنی "اَلْزَمُوْا مِلَّةَ اَبِیْکُمْ الزموا" فعل مقدر مِلّة ابیکم مفعول بہ ہے۔

اور زجاجؒ کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں۔ اِتَّبعوا مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْراھیم.

اور امام فراءؒ یہ کہتے ہیں کہ منصوب ہے نزع الخافض ہے۔ یعنی "کَمِلَّةَ ابیکم ابراھیم"۔

سماعی کی چار مثالیں بیان ہوں۔

(۱) پہلی مثال جیسے "اِمْرَاءً وَنَفْسَهٗ" اصل میں "اُتْرُکْ امراءً ونفسهٗ" اس مثال میں اِمْراءً مفعول بہ ہے جس کا فعل ناصب اُتْرُکْ محذوف ہے وجوباً اہل عرب حذف کرتے ہیں تو ہم بھی حذف کریں گے۔

(۲) دوسری مثال۔ "اِنْتَھُوْا خیراً لَّکُمْ" اصل میں "اِنْتَھُوْا عَنِ التَّثْلِیْثِ وَاقْصِدُوْا خَیْراً لَّکُمْ" تھا اس مثال میں خیراً مفعول بہ ہے جس کا فعل ناصب "اقصِدُوْا" محذوف ہے۔" خیراً انتھوا" کا مفعول بہ نہیں ہے کیونکہ معنی غلط ہو جاتا ہے۔ معنی یہ ہوگا (کہ رک جاؤ بہتری سے حالانکہ بہتری سے روکنا مقصود نہیں بلکہ تثلیث یعنی تین خدا کہنے سے رُوکنا مقصود ہے۔

(۳) تیسری مثال۔ "اَھْلاً اصل میں تھا اَتَیْتَ اَھْلاً" (آیا ہے تو اپنے اہل میں) اہل عرب آنے والے مسافر کا استقبال کرتے تھے تو بطور مبارک بادیہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اَھْلاً مفعول بہ ہے اتیت فعل ناصب محذوف ہے۔

(۴) چوتھی مثال "سَھْلاً۔ اصل میں تھا وطیتَ سَھْلاً" تھا (اور روندا ہے تو نے نرم زمین کو) اس مثال مین سَھْلاً مفعول بہ ہے" وَطِیتَ" فعل محذوف ہے۔

ان تمام مثالوں میں فعل محذوف ہے ہر ایک کو مثال میں ظاہر کر دیا گیا ہے اور حذف پر دلیل صرف سماع ہے۔

(۲) الثانی المنادی وهو المطلوب اقباله حرف نائب مناب اُدْعُوْا الخ:

ان مواضع اربعہ میں سے جہاں مفعول بہ کے عامل نصب کو حذف کرنا واجب ہے دوسرا موضع منادی ہے یعنی مفعول بہ جب منادیٰ ہوتو اس کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے۔

اس عبارت میں آٹھ چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) مُنادی کی تعریف (۲) منادی کے منصوب ہونے میں مذاہب (۳) منادی کے حالات (۴) توابع المنادی کے احکام وغیرہ (۵) ترخیم المنادی کی تعریف وشرائط اور حذف (٦) مندوب کی لغوی واصطلاحی تعریف اور حکم (۷) حرف نداء کا حذف۔ (۸) منادی کا حذف۔

پہلی بات: منادی کی تعریف:

مُنادی وہ اسم ہے جس کی توجہ ایسے حرف نداء کے ذریعہ مطلوب ہو جو اُدعُــو فعل کو حذف کرکے حرف نداء کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہو وہ حرف نداء لفظاً مذکور ہو یا تقدیراً۔ جیسے "یـا عبدالله" اصل میں "ادعـوا عبدالله" تھا۔ "ادعوا" فعل کو حذف کیا کثرت الاستعمال کی وجہ سے۔

منادی کی تعریف میں لفظ اقبال ذکر ہے۔ اقبال کے معنی توجہ ہے پھر توجہ کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) توجہ بالوجہ (۲) توجہ بالقلب (۳) توجہ حقیقی (۴) توجہ حکمی

توجہ بالوجہ کی تعریف:

توجہ بالوجہ کی تعریف: یہ ہے کہ مخاطب متکلم کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ مخاطب متکلم کی طرف پشت کئے کھڑا ہوتو اس وقت ندا کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ متکلم کی طرف اپنا چہرہ کرے۔

توجہ بالقلب کی تعریف:

توجہ قلبی یہ ہے کہ مخاطب متکلم کی طرف متوجہ ہولیکن اندیشہ ہو کہ یہ کسی اور خیال میں

مست ہے۔ بات اچھی طرح نہ سنے گا تو اس وقت ندا کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ متکلم کی طرف متوجہ ہو جائے۔

توجہ حقیقی کی تعریف:

توجہ حقیقی یہ ہے کہ اگر مُنادیٰ میں متوجہ ہونے کی صلاحیت ہو یعنی وہ ذوی العقول میں سے ہو تو وہ توجہ حقیقی ہے۔ جیسے " یا زیدُ، یا رجلُ"

توجہ حکمی کی تعریف:

توجہ حکمی یہ ہے کہ اگر مُنادیٰ ذوی العقول میں سے نہیں ہے تو پہلے اس کو ذوالعقول کی جنس سے فرض کیا جائے گا اس کے بعد مُنادی بنایا جائے گا۔ جیسے "یاسماء یاجبال" وغیرہ
مندوب میں یہ توجہ نہیں ہوتی ہے کیونکہ مندوب میں تفجع ہوتی ہے۔

دوسری بات: منادی کے منصوب ہونے میں مذاہب:

وانتصاب المُنادیٰ الخ :مُنادی کے منصوب ہونے کے بارے میں تین مذاہب ہیں۔

(۱) سیبویہؒ (۲) امام مبردؒ (۳) ابوعلیؒ

(۱) امام سیبویہؒ کہتے ہیں کہ مُنادیٰ پر نصب فعل مقدر کی وجہ سے ہے۔

(۲) امام مبردؒ کہتے ہیں کہ منادی پر نصب حرف ندا کی وجہ سے ہے جو "اُدْعُوْا" فعل کے محذوف کے قائم مقام ہے۔

(۳) ابوعلیٰ کہتے ہیں کہ مُنادی منصوب ہے حرف ندا کی وجہ سے اور حروف النداء اسمائے افعال کے قبیل سے ہے لیکن مصنفؒ نے امام سیبویہؒ کا مذہب اختیار کیا ہے۔ چنانچہ "یازید" کی اصل "ادعوا زیدًا" ہے "ادعُوْا" فعل کو حذف کر دیا گیا ہے اور یہ حذف واجب ہے کیونکہ کثرت استعمال اس کے لئے قرینہ ہے اور حرفِ ندا اس کے قائم مقام ہے اس لئے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے اس کا حذف واجب ہو گیا۔

وعلیٰ المذاهب کلها یا زیدُ جملةٌالخ

حرف نداء جس پر داخل ہوتا ہے وہ اپنے مدخول سے مل کر جملہ ہے اور جملہ کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ مسند الیہ اور مُسند اور مُنادیٰ نہ مسند الیہ ہے نہ مسند ہے پھر "یازید" کس طرح جملہ ہوگا اس کی توجیہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مختلف ہے۔

(۱) سیبویہؒ کہتے ہیں کہ جملہ کے دونوں جزء یعنی فعل اور فاعل مقدر ہیں "ادعُوا" فعل محذوف ہوگا نہ حرف نداء اور منادیٰ داخل ہے جملہ میں۔

(۲) مبردؒ کے نزدیک حرفِ ندا فعل کے قائم مقام ہے اور فاعل مقدر ہے۔

(۳) ابوعلیؒ کے نزدیک کوئی جزء مقدر نہیں کیونکہ ان کے نزدیک حرفِ ندا اسم فعل ہے اس میں ایک ضمیر پوشیدہ ہوگی۔ لہٰذا ایک جزء تو اسم فعل ہوجائے گا۔ اور دوسرا جزء ضمیر پوشیدہ ہے جو فاعل ہے۔

تیسری بات: منادیٰ کے حالات:

اس میں یہ بیان کررہے ہیں کہ منادیٰ کے حالات کتنے ہیں تو مُنادیٰ کے حالات چار ہیں۔ (۱) مرفوع (۲) مجرور (۳) مفتوح (۴) منصوب۔

(۱) مُنادیٰ مفرد معرفہ ہو تو اس صورت میں منادیٰ علامت رفع پر مبنی ہوگا۔ اور رفع کی دو (۲) قسمیں ہیں۔ (۱) رفع بالحرکت (۲) رفع بالحرف۔ مفرد میں رفع بالحرکت ہوگی اور تثنیہ میں الف اور جمع میں واؤ کے ساتھ رفع ہوگا۔ جیسے "یازید" اس مثال میں زید منادیٰ مفرد اور معرفہ ہے حرف نداء کے داخل ہونے سے پہلے معرفہ کی مثال تو علامت رفع ضمہ پر مبنی ہے۔ "یارجلُ" میں رجل مفرد معرفہ ہے کیونکہ حرف ندا کے بعد معرفہ ہے علامت رفع ضمہ پر مبنی ہے۔ یازیدان علامت رفع الف پر مبنی ہے۔ "یا زیدون" میں علامت رفع واؤ پر مبنی ہے۔

فائدہ: منادیٰ:

منادی مفرد معرفہ مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ منادیٰ کاف ضمیر اسمی کی جگہ میں واقع ہے ۔مثلاً" یازید " اصل میں "ادعوک "تھا۔کاف ضمیر اسمی کی جگہ زید کو رکھا گیا ہے اور کاف ضمیر اسمی کی مشابہت ہے، کاف حرفی کے ساتھ اور کاف حرفی حرف ہونے کی وجہ سے مبنی الاصل ہے۔لہٰذا منادیٰ بھی مبنی ہوگا۔

(۲) لام استغاثہ جب منادی پر داخل ہوگا تو منادیٰ مجرور ہو جائے گا۔جیسے " یا لزیدٍ" (۱) ایک مُستغاث ہوتا ہے۔(۲) مُستُغاث لہٗ (۳) مُستغیث

مُستغاث جس سے فریاد طلب کی جائے۔ مُستُغاث لہٗ جس کے لئے فریاد طلب کی جائے۔ مُستغیث فریاد طلب کرنے والے۔جیسے "یا لقَومِ لِلمَظلُومِ" (اے قوم فریاد رسی کرو مظلوم کی) قوم مستغاث اور مظلوم مستغاث لہ ہے اور متکلم مُستغیث ہے۔

(۳) جب منادی کے آخر میں الف استغاثہ لاحق ہوگا تو منادی مستغاث مبنی برفتحہ ہوگا کیونکہ الف چاہتا ہے کہ میرا ماقبل مفتوح ہو۔جیسے "یازیداہ" اس مثال میں الف استغاثہ کی وجہ سے منادی مستغاث مبنی برفتحہ ہے۔

فائدہ:

جب الف استغاثہ آخر میں لاحق ہوگا تو پھر لام استغاثہ شروع میں نہیں آئے گا کیونکہ لام آخر میں جر چاہتا ہے اور الف اپنے ماقبل پر فتحہ چاہتا ہے، تو دونوں کے آخر میں منافات ہے۔جیسے " یازیداہ" اس میں الف استغاثہ کی وجہ سے منادیٰ مستغاث مبنی برفتحہ ہے، آخر میں (ہا) وقف کی ہے۔لام استغاثہ میں ۔لام تعجب اور لام تہدید یہ دونوں لام استغاثہ کے حکم میں شامل ہیں۔

(۴) منادی مفرد معرفہ اور مستغاث ہے خواہ مستغاث بالام ہو یا مستغاث بالالف ہو۔ان کے علاوہ باقی صورتوں میں منادی معرب ہوگا اور مفعولیت کی بناء پر نصب آئے گا۔ تو اس کی چار صورتیں بنتی ہیں۔

(۱) منادیٰ مضاف (۲) منادی شبہ مضاف ہو (۳) منادیٰ نکرہ غیر معین ہو (۴) منادی نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو۔ جس کو مصنفؒ نے بیان نہیں کیا شارحؒ نے اس کی مثال بیان کی ہے۔

(۱) منادی مضاف کی مثال۔ جیسے "یا عبد اللہ" اس مثال میں عبد مضاف، لفظ اللہ مضاف الیہ۔

(۲) منادیٰ شبہ مضاف کی مثال۔ جیسے "یا طالِعًا جبلاً" اس مثال میں "طالِعًا" شبہ مضاف ہے۔ شبہ مضاف وہ اسم ہے جو مضاف تو نہ ہو لیکن اس کا معنیٰ دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر تام نہ ہو، یہ مضاف کے مشابہ ہے۔ جیسے مضاف کا معنیٰ بغیر مضاف الیہ کے تام نہیں ہوتا اس کے معنیٰ بھی بغیر مضاف الیہ کے تام نہیں ہوتا۔ جیسے "طالعاً جبلاً" کے بغیر اس کا معنیٰ تام نہیں ہوتا کیونکہ چڑھنے والے کے لئے کوئی جگہ چاہئے جس کا ذکر ضروری ہے۔

(۳) منادی نکرہ غیر معین کی مثال۔ جیسے اندھا آدمی کہے "یا رَجُلاً خُذْ بِیَدِیْ" اس مثال میں رجلاً نداء سے پہلے بھی نکرہ ہے اور نداء کے بعد بھی نکرہ غیر معین ہے کیونکہ نابینا آدمی کسی معین مرد کو نہیں پکار رہا ہے۔

(۴) منادی نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو۔ جیسے "یا حسناً وجههٗ ظریفاً" اس مثال میں حسناً مفرد نہیں ہے بلکہ مشابہ مضاف ہے کیونکہ بغیر وجہہ کے اس کے معنیٰ پورے نہیں ہوتے۔ اور معرفہ بھی نہیں ہے بلکہ نکرہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ظریفاً نکرہ اس کی صفت ہے اگر حسناً معرفہ ہوتا تو اس کی صفت نکرہ نہ آتی۔

لہٰذا ان سب صورتوں میں منادیٰ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

(۴) توابع المنادی:

منادی کے حالات سے فارغ ہو کر اب مُنادی کے توابع کا حال بیان کرتے ہیں۔ منادیٰ۔ جیسے مبنی اور معرب ہوتا ہے اسی طرح ان کی توابع بھی مبنی اور معرب ہوتا ہے۔

منادی مبنی کے توابع پہلے بیان ہوں گے پھر بعد میں منادی معرب کے توابع بیان کریں گے۔ اس میں تین (۳) باتیں ہیں۔

پہلی بات:

(۱) جومنادی علامت رفع پر مبنی ہے اس کے توابع جو مفرد ہوں خواہ حقیقۃً ہو یا حکمًا ہو ان پر " **ترفع علی لفظه وتنصب علی محله** "کا حکم جاری ہوگا اور یہ حکم تمام توابع میں جاری نہیں ہے، اور جن توابع میں یہ حکم جاری ہے ان میں بعض ایسے ہیں کہ جن میں قید ہے اس لئے مصنفؒ اس کی تفصیل بیان کررہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم تاکید، صفت ،عطف بیان میں تو مطلقًا پایا جاتا ہے ان میں کوئی قید نہیں ہے اور اس معطوف میں پایا جاتا ہے جس پر یاء کا داخل ہونا ممتنع ہے۔

لیکن شارحؒ نے جمہور علماء کی اتباع میں تاکید کو معنوی کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ تاکید لفظی اس میں نہیں ہے اس لئے تاکید لفظی کا حکم اکثر استعمال میں وہی ہوتا ہے جو اس کے مؤکد کا ہوتا ہے اگر مؤکد معرب ہے تو تاکید معرب ہوگی اور اگر مؤکد مبنی ہے تو تاکید بھی مبنی ہوگی "**ترفع علی لفظه وتنصب علی محله**" دونوں حکم اس پر جاری نہ ہوں گے۔ بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ تاکید لفظی پر بھی رفع اور نصب جائز ہے۔

اب حاصل یہ ہوا کہ صفت ہو، یا عطف بیان ہو یا تاکید ہو خواہ معنوی ہو یا لفظی یا معطوف بحرف الممتنع دخول یا علیہ ان پر یہ حکم جاری ہوگا ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلّہ منادی کے لفظ اور محل دونوں کی رعایت کی جائیگی۔ منادی پر لفظاً تو رفع ہے جیسا کہ ظاہر ہے لہٰذا اس کا تابع بھی مرفوع ہوگا اور منادی کے محل کی رعایت یہ ہے منادی مفعول کی جگہ میں واقع ہے اور مفعول منصوب ہوتا ہے اس لئے منادی محلاً منصوب ہوگا اور محل کی رعایت کی بناء پر اس کا تابع بھی منصوب ہوگا۔ منادی کا لفظ کبھی ظاہر ہوتا ہے اس وقت اعراب لفظوں میں آتا ہے جیسے "**یازید**" اور کبھی منادی کا لفظ مقدر ہوتا ہے اس وقت اعراب پوشیدہ ہوتا ہے۔ جیسے "**یافتی**" یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ منادی پر خواہ اعراب لفظی ہو یا تقدیری ہو۔ ہر صورت میں وہ لفظاً مرفوع ہے اس لئے اس کے تابع پر رفع ہوگا اور تابع کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا اس کا لفظ ظاہر ہے تو اعراب لفظی ہوگا اگر مقدر ہے تو اعراب تقدیری ہوگا۔

جیسے "یاتیم اجمعون واجمعین" یہ تاکید کی مثال ہے اس میں تمیم کی تاکید میں رفع کی صورت میں اجمعون پڑھا جائے گا اور نصب کی صورت میں اجمعین پڑھا جائے گا، صفت کی مثال "یا زیدالعاقل والعاقل"

مصنفؒ نے تابع کی چار قسموں میں سے صرف صفت کی مثال بیان کی ہے باقیوں کو بیان نہیں فرمائی۔

شارحؒ اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ صفت کا استعمال کثیر ہے اور وہی زیادہ مشہور ہے اس لئے مصنفؒ نے اس کی مثال پر اکتفاء کیا البتہ شارحؒ نے خود بیان کر دیا ہے تاکید اور صفت کی مثال تو گزر چکی ہے۔

عطف بیان کی مثال "یاغلام بشرٌ وبشرًا" اس میں بشر غلام کا عطف بیان ہے اس لئے رفع ونصب دونوں جائز ہیں۔ معطوف معرف باللام کی مثال "یازید الحارثُ والحارثَ" ہے۔

والخلیل فی المعطوف الخ:

اس عبارت میں اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔ امام خلیلؒ استاذ امام سیبویہؒ اور ابوعمرو کے درمیان میں ان دونوں کا مسلک بھی جمہور نحویوں کی طرح ہے یہ بھی منادی مبنی کے توابع مفرد پر ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ کے قائل ہیں۔ لیکن ان دونوں میں ترجیح کے اعتبار سے اختلاف ہے وہ بھی ہر تابع میں نہیں صرف معطوف باللام میں۔

امام خلیلؒ ایسے معطوف میں رفع کو اختیار کرتے ہیں نصب کے جواز کے ساتھ۔ اور ابوعمرو نصب کو اختیار کرتے ہیں رفع کے جواز کے ساتھ۔

امام خلیلؒ کی دلیل:

امام خلیلؒ کی دلیل یہ ہے کہ معطوف دراصل مستقل مُنادی ہے کیونکہ حرف عطف حرف نداء کے قائم مقام ہوتا ہے لیکن یہاں وہ معرف باللام ہے جس کی وجہ سے حرف نداء اس پر داخل نہیں ہوسکتا کیونکہ الف ولام بھی حرف تعریف ہے اور حرف نداء بھی تو یہ دونوں

جمع نہیں ہوسکتے، بہرحال معطوف معرف باللام پر حرف نداء تو داخل نہ ہو سکے گا اس لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کو مستقل منادی کا درجہ دیدیا جائے لیکن اس کو اس کے درجے سے بالکل گرا کر خالص تابع کے درجے میں بھی نہ رکھا جائے۔

لہذا اس کی شکل یہی ہے جو ہم نے تجویز کی ہے کہ اس کو مبنی تو نہ قرار دیا جائے بلکہ معرب کردے لیکن معرب کرنے کے بعد اس کو مرفوع رکھے۔

امام ابوعمروؒ کی دلیل:

امام ابوعمروؒ کی دلیل یہ ہے کہ اتنی تکلفات کی کیوں کوشش کی جارہی ہے وہ تو خالص تابع ہے اور چونکہ منادی مبنی ہے اور مبنی کا تابع محل کے تابع ہوتا ہے اور منادی مفعول ہونے کی وجہ سے محل کے اعتبار سے منصوب ہے اس لئے معطوف پر نصب آنا چاہئے۔

وابوالعباس المبرد ان كان المعطوف المذكور كالحسن فكا لخليل والافكابى عمرو الخ.

ابوالعباس امام مبردؒ کی کنیت ہے یہ صاحب امام خلیلؒ اور ابوعمرو کے درمیان فیصلہ کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ معطوف معرف باللام کا الف لام اگر جدا ہوسکتا ہے تو اس صورت میں خلیلؒ کے مذہب کو ترجیح ہے جیسے " الحسن "کا الف ولام کیونکہ الف ولام کے جدا ہونے کی وجہ سے معطوف کو مستقل منادی بنانا ممکن ہے لہذا مستقل منادی کی رعایت کرتے ہوئے اس میں رفع مختار ہوگا۔

اور اگر الف ولام کلمہ سے جدا نہیں ہوسکتا "الحسن" کا الف ولام کی طرح نہ ہو بلکہ النجم اور الصعق کے الف لام کی طرح ہے۔ تو ابوعمروؒ کے مذہب کو ترجیح ہوگی۔ کیونکہ ایسے معطوف کو مستقل منادیٰ نہیں بنایا جاسکتا۔ اس لئے خالص تابع کا حکم ہوگا اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ منادیٰ مبنی کا تابع محل کے تابع ہوگا اور منادی کا محل مفعولیت کی بناء پر نصب ہے اس لئے اس کا تابع نصب آئے گا۔

منادی پر مبنی کے توابع مفرد ہو تو اس میں ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ کی وضاحت تھی۔

دوسری بات: والمضافة تنصب الخ:

(۲) اگر منادیٰ مبنی کے توابع مضاف ہو، مضاف سے مراد اضافت معنوی ہے کیونکہ اضافت لفظی مفرد حکمی میں داخل ہے۔

مضاف ہونے کی حالت میں توابع مذکورہ میں نصب ہے کیونکہ اگر یہ توابع منادی ہوتے تو مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتے تو جب منادی کی حالت میں نصب آتی تو توابع ہونے کی حالت میں بدرجہ اَوْلیٰ نصب آنا چاہئے۔

ان سب کی مثالیں یہ ہیں۔ ''یَـاتَیم كُلَّهُمْ'' یہ تاکید کی مثال ہے۔ اس مثال میں ''کلهم'' پرصرف نصب جائز ہے۔ صفت کی مثال ''یا زیدُ ذالمال'' میں ''ذالمال'' زید کی صفت اور نصب اس پر بھی نصب ہی رہے گا۔ عطف بیان کی مثال ''یـــا رجـل، ابـــا عبـدالله'' اس میں ''ابـا عبدالله'' عطف بیان ہے جس پر نصب ہی متعین ہے۔ معطوف معرف بالام کی مثال نہیں بیان کی کیونکہ معطوف معرف بالام اضافت حقیقی کے طور پر مضاف نہیں ہوسکتی اور یہ حکم ایسے ہی مضاف کا ہے جس میں اضافت حقیقی ہو۔

تیسری بات:

والبدل المعطوف غیرماذکر حکمه حکم المنادی الخ

(۳) مصنفؒ نے منادی مبنی کے توابع خمسہ میں سے تاکید، صفت، عطف بیان، معطوف معرف بالام کا حکم ابتک بیان کیا ہے۔ اب بدل اور معطوف غیر معرف بالام کا حکم بیان کرتے ہیں۔ اگر تابع بدل ہے یا معطوف غیر معرف باللام ہے تو ان دونوں کا حکم ایسا ہے جیسے مستقل منادی کا ہوتا ہے۔

کیونکہ مقصود بنسبت مبدل منہ اور بدل میں بدل ہوتا ہے تو منادی جو مبدل منہ ہے اور تابع جو بدل ہے تو اب دونوں میں تابع جو بدل ہے وہ مقصود ہوا ہے۔ تو درحقیقت مقصود بالنداء بدل ہوا اس لئے اس کو منادیٰ قرار دیا جائے گا۔ تو جو حکم منادی کا ہونا چاہئے وہ حکم بدل کا ہوگا۔ اسی طرح معطوف معرف بالام نہیں ہے۔ تو اس پر حرف نداء داخل ہوسکتا ہے

اور وہ منادیٰ مستقل بن سکتا ہے جب منادی بن سکتا ہے تو اس کے ساتھ منادیٰ جیسا معاملہ کیا جائے گا۔ مصنفؒ نے بدل اور معطوف غیر معرف باللام کے حکم میں مطلقًا کا لفظ لاکر اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ ان دونوں کا حکم ہر حال میں مستقل منادی کا ہوگا خواہ مفرد ہوں یا مضاف ہوں یا شبہ مضاف ہوں یا نکرہ ہوں۔

بدل اور معطوف کی مثالیں ۔ پہلے بدل کی مثالیں بعد میں معطوف کی مثالیں بیان ہوں گی۔

(۱) بدل کی مثال "یا زیدُ عمروٌ" عمرو بدل اور مفرد ہے اس لئے مرفوع ہے۔ (۲) بدل مضاف ہو۔ "یا زید اخا عمرو" (۳) بدل مشابہ مضاف ہو۔ جیسے "یازید طالعًا جبلاً"(۴) بدل نکرہ ہو۔ جیسے "یازید رجلاً صالحًا"۔

معطوف کی مثالیں

(۱)"یازید وعمرو" (۲)"یا زید واخاعمرو"(۳)" یازید وطالعًا جبلاً"(۴) "یازیدورجلاً صالحًا"

والعلم المُنادی المُبنی علی الضمه الخ:

اس سے پہلے مصنفؒ نے بیان کیا ہے کہ منادیٰ مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے۔ اب یہاں سے اس منادیٰ کا حکم بیان کرتے ہیں جو منادیٰ مفرد معرفہ علم ہو ابن اور ابنۃ کے ساتھ موصوف ہو اور یہ ابن اور ابنۃ دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو ایسے منادیٰ پر ضمہ بھی جائز لیکن فتحہ مختار ہے۔ جیسے یا عیسیٰ بن مَرْیَمَ کیونکہ اس قسم کا منادیٰ زیادہ واقع ہوتا ہے اور کثرت تخفیف کا تقاضا کرتی ہے تو فتحہ اخف الحرکات ہے اس لئے فتحہ مختار رہا۔

واذا نودی المعرف باللام قیل یا ایها الرّجل الخ:

اس سے پہلے یہ بیان ہوا ہے کہ منادی پر حرفِ نداء کا داخل ہونا ممتنع ہے، اب مثال پیش کی ہے جس میں معرف باللام پر حرف نداء کا داخل ہونا صحیح ہے۔ جیسے "یا یها الرجل" جواب یہ ہے کہ حرف ندا کا دخول معرف باللام پر اس وقت ممتنع ہے جب ذات کے اعتبار

سے ہواور یہاں ذات نہیں ہے بلکہ واسطہ ہے وہ "ای و ھا، ھذا" وغیرہ ہے۔

(۲) اعتراض ہے کہ مثال مذکورہ میں منادی تو (ی) مفرد معرفہ ہے اور رجل تو تابع ہے اور توابع المنادی مفرد معرفہ میں دو وجہیں جائز ہیں۔ رفع اور نصب اور یہاں صرف رفع ہے۔

جواب یہ ہے کہ قاعدے سے تو دونوں اعراب آنے چاہئیں لیکن مقصود بالنداء صرف الرجل ہے اس لئے اس کے ساتھ صفت جیسا معاملہ نہیں کیا گیا۔

(۳) اعتراض جب الرّجل مقصود بالنداء ہے تو یہ منادی مفرد معرفہ کے حکم میں ہوگا اور مناسب یہ ہے کہ اس کے توابع میں رفع ونصب دونوں وجہ جائز ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جواب یہ ہے: منادی کا توابع معرب ہے اور رفع ونصب اس توابع میں جائز ہے جو توابع منادی مبنی ہو توابع کی مثال " یا ایھا الرجل الظریف ویایھا الرجل ذوالمال"

(۴) اعتراض، آپ نے کہا کہ حرفِ ندا کا دخول معرف باللام پر بالذات ممتنع ہے یہ قاعدہ ٹوٹ گیا۔ یااللہ سے یہاں لفظ اللہ معرف باللام ہے اور اس پر حرف نداء بغیر فصل کے آتا ہے۔ چنانچہ یااللہ کہا جاتا ہے۔ یاایھا اللّٰہ نہیں کہا جاتا۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ حرفِ نداء کا دخول معرف باللام بالذات پر ممتنع ہے اس وقت جب لام لازم عوضی نہ ہو یہاں لام لازم بھی ہے اور عوضی بھی ہے۔ لازم کیوں ہے؟ اس لئے کہ لام جزء ہے علم کا۔ اور عوضی کیوں ہے اس لئے کہ اللہ اصل میں اَلْاِلٰـہ تھا پھر ہمزہ مکسورہ کو حذف کردیا اس کے عوض میں لام لائے تو اَلْ لاہ ہوگیا پھر لام کو لام میں مدغمت کردیا تو اللہ ہوگیا۔ تو اس وجہ سے کہا" یا اللہ خاصۃً"

"النجم والصعق" میں اگر چہ ان میں لام لازمی ہے لیکن غیر عوض ہے اور "النّاس" کا الف لام اگر چہ عوضی ہے لیکن غیر لازمی ہے۔

بہر حال حرفِ ندا کا دخول معرف باللام پر اس قول میں "ومن اجلک یا التی

تـمّت قَلْبِیْ"، "وانت بحیلة بالوصلِ عنیْ" التی میں لام کلمہ کے لئے لازم تو ہے کسی محذوف کے عوض میں نہیں اس لئے اس کو شاذ کہا جاتا ہے۔

اور شاعر کے قول میں "فیاالغلان الذان فراء" "ایا کماان تکسبا شرًا" اس شعر میں "الغلان" پر لام عوض کا ہے اور نہ کلمہ کے لئے لازم ہے اس کو اشذ شذوذ کہا گیا ہے۔

ولک فی مثل یا تیم تیم عدی الضّم والنصب الخ:

تیم سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے جس میں منادیٰ جو صورت کے اعتبار سے مفرد معرفہ ہو اور منادی مکرر بھی ہو اور دوسرے منادی کے بعد مضاف الیہ مذکور ہو تو ایسے منادی میں۔

اول منادی پر ضمہ اور نصب دونوں جائز ہیں۔ لیکن منادیٰ ثانی میں صرف نصب جائز ہے۔

ضمہ اس لئے جائز ہے کہ وہ منادی مفرد معرفہ ہے اور منادی مفرد معرفہ علامت رفع پر ضمہ ہوتا ہے۔

اور نصب اس لئے جائز ہے کہ وہ عدی مذکور کی طرف مضاف ہے جیسا کہ (۱) امام سیبویہؒ کا مذہب ہے یا عدی محذوف کی طرف مضاف ہے جیسا کہ (۲) امام مبردؒ کا مذہب ہے اور تیم ثانی تیم اول کے لئے تاکید لفظی ہے۔ (۳) امام سیرافیؒ فرماتے ہیں کہ جیسا کہ تیم اول پر ضمہ اور نصب جائز ہے اور اسی طرح فتح بھی جائز ہے۔

کیونکہ تیم ثانی منصوب ہے اس کی اتباع میں اول پر فتح بھی پڑھا جاسکتا ہے جس طرح یازیداُ ابن عمرو میں عمرو مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے ضمہ ہے ابن پر صفت مضاف ہونے کی وجہ سے نصب ہے اس لئے اس کی اتباع میں زید پر بھی فتح پڑھ سکتے ہیں، ثانی تیم میں صرف نصب جائز ہے کیونکہ اگر تیم اول یا تیم ثانی عدی کی طرف مضاف ہے تو دونوں صورتوں میں تیم ثانی پر نصب ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں اس لئے کہ تیم اول عدی کی طرف مضاف ہے تو منادی مضاف ہوا اور منادی مضاف خود منصوب ہوتا ہے اس لئے اس کا تابع یعنی تیم ثانی جو تاکید ہے اس پر بھی نصب ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تیم ثانی عدی کی طرف مضاف ہوئی اور منادی مبنی کا تابع جو مضاف ہو اس میں صرف نصب ہوتا ہے۔

وتمام البيت الخ:

پوراشعر یہ ہے۔

يا تيم تيم عدى لاابالكم　　　لايلقينكم فى سوء ة عمر

المنادىٰ المضاف الىٰ ياء المتكلم يجوز فيه الخ.

چاروجوہ اس منادی میں جائز ہیں جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو۔ وہ چاروں وجوہ یہ ہیں۔(۱) یاء کافتحہ جیسے "یاغُلَامِیَ"(۲) یاء کا سکون جیسے "یاغُلَامِیْ"(۳) یاء کوحذف کر کے کسرہ پراکتفاءکریں۔جیسے " یا غلام" لیکن شرط یہ ہے کہ یاء کا ماقبل مکسور ہو۔(۴) یاء کوالف سے بدلنا۔جیسے "یاغلاما"

آخر کی دونوں صورتیں بنسبت پہلی دوصورتوں کے کثیرالوقوع ہیں۔(۱) ایک یہ ہے کہ یاءکوحذف کر کے کسرہ پر اکتفاء کیا جائے کیونکہ کسرہ کی وجہ سے معلوم ہوجائے گا کہ یہاں یاءمحذوف ہے۔(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ یاءکوالف سے بدل لیا جائے اس میں تخفیف کی صورت یہ ہوئی کہ یاءکوالف سے بدلا گیاہے اورالف بنسبت یاء کے خفیف ہے۔ اورالف سے پہلےفتحہ ہے اگر یاءکوالف سے نہ بدلتے تو اس سے پہلے کسرہ ہوتا اورکسرہ کے اعتبار سےفتحہ خفیف ہے۔

جب منادی یاءمتکلم کی طرف مضاف ہوتو اس کو چارطرح پڑھ سکتے ہیں۔(۱) یا کے سکون کے ساتھ۔جیسے''یاغلامیْ''(۲) یا کےفتحہ کے ساتھ۔جیسے''یاغلامیَ''(۳) یا کوحذف کرکے کسرہ پراکتفاءکرکے۔جیسے''یاغلامِ''(۴) یاءکوالف سے بدلنے کے ساتھ۔جیسے''یا غلامَا'' لیکن اس منادی پر وقف کی حالت میں ھاء داخل ہوجاتی ہے۔جیسے''یاغُلامِیَہ ، یا غلامِیَہ یاغلامِہ یاغلاماہ''

یااِبِی اوریااُمّی میں بھی چارتخفیف کی یہ صورتیں ہیں۔(۱) یاء کے سکون کے ساتھ ۔جیسے''یااِبِیْ ویااُمّیْ۔(۲) یاء کےفتحہ کے ساتھ۔جیسے''یااِبِیَ ویااُمّیَ''(۳) یاءکوحذف کرکے کسرہ پراکتفاءکرے۔جیسے''یااَبِ ویااُمِّ''(۴) یاءکوالف سے بدلنے کے ساتھ۔

جیسے ''یا ابا و یا اُمّا''۔ لیکن ان میں ایک صورت اور بی ہے کہ یاء کو تاء کے ساتھ بدل دیا جائے پھر اس تاء پر فتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ماقبل حرکت کی وجہ سے جیسے ''یا اَبَتَ یا اُمَّتَ'' اور کسری بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یا کی مناسبت کی وجہ سے۔ جیسے ''یا اَبَتِ'' یا اُمَّتِ؟

بعض حضرات نے تاء پر ضمہ بھی پڑھا ہے۔ جیسے ''یا اَبَتُ دیا اُمَّتُ'' اس وقت یہ مضاف نہیں ہوگا بلکہ منادی مفرد معرفہ کے قائم مقام ہوگا۔ اور اس کو اس وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ یہ بہت کم مستعمل ہوتا ہے۔

اور اس کے آخر مین الف بھی پڑھ سکتے ہیں۔ جیسے ''یا ابتا و یا امتا'' لیکن اس کے آخر میں یاء نہیں لگا سکتے۔ فلا یقال یا اُاَبَیّ ویا اُمّیّ'' کیونکہ پھر عوض اور معوض عنہ کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ اجتماع جائز نہیں ہے۔

(۱) اعتراض:

یہ ہے کہ منادیٰ یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس میں دو آخری صورتیں جائز ہیں یا صورتیں جائز نہیں ہے؟ کیونکہ یہ دونوں کثیر الوقوع ہے تو اب ہم ''یاعدوی'' مثال پیش کرتے ہیں کہ یا عدوی میں پہلے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ (۱) فتحہ اور (۲) سکون۔ یاء کو حذف کر کے کسرہ پر اکتفاء کرنا اور یاعدو کہنا اسی طرح یاء کو الف سے بدلنا اور یا عدوا کہنا اور آخری صورتیں جائز نہیں ہیں۔

جواب منادیٰ کی اضافت یاء متکلم کی طرف کثیر اور مشہور ہو۔ اور یہاں عدو کی اضافت یاء متکلم کی طرف نہ کثیر الوقوع ہے اور نہ مشہور ہے۔

(۲) اعتراض:

اعتراض یہ ہے کہ منادی یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں صرف چار (۴) وجوہ نہیں بلکہ پانچویں وجہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ الف کو حذف کر کے فتحہ پر اکتفاء کیا جائے۔ مثلاً ''یا غلام'' بالفتح کہا جائے۔

(۱) جواب یہ ہے کہ "وقد جاز شاذا فی المنادیٰ الخ، یہ صورت شاذ ہے۔اور شاذ کا اعتبار نہیں ہے۔وبالھاء وقفا الخ :منادی کے آخر میں تخفیف کی چار مذکورہ صورتوں میں وقف کی حالت میں ہاء کالانا جائز ہے۔

(۱) پہلی صورت میں "یاغلامیه" ھا کے فتحہ کے ساتھ۔(۲) غلامیۂ (۳) یاغلامِہ (۴) "یا غلاماه"

تخفیف کی چار مذکورہ صورتوں کے علاوہ ابی اور امی میں دوصورتیں، مزید جائز ہیں۔ کیونکہ عرب کے محاورے میں ان کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔

(۱) یاء کو تاء سے بدلنا۔ (۲) یاء کے عوض میں تاء اور الف دونوں لائے جائیں۔" یا ابتا یا امتا" پڑھا جائے۔

یا ابن ام و یا ابن عم میں تخفیف کی چار مذکورہ صورتیں باب یاغلامی کی طرح جائز ہیں۔پانچویں وجہ بھی جائز ہے وہ یہ ہے کہ الف کو حذف کر کے فتحہ پر اکتفاء کیا جائے۔

یاابن امَّ و یاابن عمَّ پڑھا جائے یہ صورت باب "یاغلامی" میں شاذ ہیں، کیوں شاذ ہے اس لئے کہ یاابن ام و ابن عم کا استعمال بکثرت ہوتا ہے اور "یاغلامی" کے اعتبار سے الفاظ کم ہیں۔

پانچویں بات: ترخیم المنادیٰ کی تعریف وشرائط اور حذف:

وترخیم المنادی جائزٌ فی غیرہ الخ:

اس سے پہلے منادی اور توابع المنادی کا بیان تھا، اب ترخیم المنادیٰ کا بیان ہے چونکہ ترخیم منادی کا خاصہ ہے کیونکہ منادی میں ترخیم نثر اور نظم دونوں جائز ہیں اور غیر منادی میں نظم میں تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہے اور نثر میں جائز نہیں ہے۔

(۱) ترخیم کی تعریف: وھو ای ترخیم المنادی حذف فی اٰخرہ الخ:

ترخیم وہ ہے کہ منادی کے آخر میں کسی حرف کو تخفیف کے لئے حذف کرنا بغیر کسی صرفی ونحوی قانون کے۔

(۲)ترخیم منادی کی شرائط:وشرط ای شرط ترخیم المنادیٰ الخ:

ترخیم منادی کی چار شرطیں ہیں۔تین شرطیں عدمی ہیں۔ایک شرط وجودی ہے۔

تین عدمی شرطیں یہ ہیں۔(۱) منادی مضاف نہ ہو۔(۲) منادیٰ مُستغاث نہ ہوخواہ مستغاث بالالام ہو یامُستغاث بالالف ہو۔(۳) منادی جملہ نہ ہو۔(۴) وجودی شرط منادی علم ہواور تین حروف سے زیادہ ہواگر علم نہ ہواور تین حرف سے زیادہ بھی نہ ہوتو پھر تاءتانیث اس میں پائی جاتی ہو۔ان دونوں شرطوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔اگر دونوں جمع ہوجائیں تو کوئی حرج نہیں۔

ولما فرغ من بیان شرائط الترخیم شرع فی بیان کمیة المحذوف بسببه فقال فان کان فی آخره الخ:

(۳)ترخیم میں حذف کی مقدار جوترخیم سے حاصل ہوتی ہے وہ تین طرح ہے۔

(۱)حذف الحرفین۔(۲)حذف الاسم الاخیر(۳)حذف حرف واحد۔

(۱) دو کے حذف ہونے کے دوقسمیں ہیں۔اسم کے آخر میں دوحرف زائد ہوں اوران کی زیادتی ایک ہی ساتھ ہوئی ہو جب آنے میں دونوں ساتھ ہیں تو جانے میں بھی ساتھ ہوں گے اس کی دومثالیں ہیں۔(۱) اسماءاس میں الف اور ہمزہ کوایک ہی ساتھ زیادہ کیا گیا لہٰذا ترخیم کے وقت دونوں کو حذف کرکے یااسم پڑھیں گے۔(۲) مروان اس میں دوحرف ایک ہی ساتھ زائد ہیں اس لئے ترخیم کے وقت دونوں کو حذف کرکے یامرو پڑھیں گے۔

(۲) حذف الحرفین اسم کے آخر میں حرف صحیح ہواوراس کے ماقبل مدہ ہوتو اس میں بھی ترخیم کے وقت دونوں حرفوں کو یعنی حرف صحیح اوراس سے پہلے مدہ کو حذف کردیں گے۔جیسے "یامنصور" میں راءحرف صحیح ہےاس سے پہلے واؤمدہ ہےتو یا منصور کو یا منص یا عمّارکو یا عمّ اوریامسکین کو یا مسکن پڑھیں گے۔

(۲) وان کان مرکبا حذف الاسم الاخیر الخ :

اگر منادی مرکب ہوتو ترخیم کے وقت آخر جزء کو حذف کردیا جائے کیونکہ یہ آخری حرف کے قائم مقام ہے مرکب سے مراد مرکب بنائی اور مرکب منع صرف ہے۔ جیسے "خمسة عشر اور بعلبک" ہے پہلی مثال میں عشر اور دوسری مثال میں بک ہے اس کو حذف کیا جائے تو یا خمسة اور یا بعل کہا جائے۔

منادی مرخم میں صرف ایک حرف حذف کیا جائے گا کیونکہ مقصود ترخیم سے تخیف ہے وہ ایک حرف کے حذف سے بھی حاصل ہوتی ہے اور اس سے زیادہ حذف کا کوئی سبب بھی موجود نہیں اس کی مثال "یامَالِکُ" میں یامالُ یا حارِثُ میں یا حارِ پڑھیں گے۔

وهو المنادی المرخم الخ:

یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ترخیم کے بعد منادی کے آخر میں جو حرکت ہے وہی باقی رکھی جائے گی۔ یا اس میں کوئی تصرف ہوگا۔

اب منادی مرخم کے آخر میں دو حرکتیں جائز ہیں۔ (۱) ضمہ (۲) حرکت اصلیہ

(۱) ضمہ اس بناء پر کیونکہ یہ منادی مستقل ہے جو حرف آخر سے حذف ہوا ہے وہ بمنزلہ نسیًا منسیًا ہے گویا یہی اس کی اصلی شکل ہے تو چونکہ اس وقت یہ منادی مفرد معرفہ ہے لہٰذا مبنی برضمہ ہوگا چنانچہ "یاحَارِثُ" میں آخری حرف ثا کو حذف کیا گیا تو یا حارُ کو مبنی بر ضم پڑھیں گے۔ اس کو "من ینتظر" کہتے ہیں اور یہ کثیر ہے گویا کہ (راء) ہی آخری حرف ہے (۲) وہ حرکت اصلیہ جو ترخیم سے پہلے اس حرف پر تھی۔ مثلاً یا حارِثُ میں راء کی موجودگی میں (راء) پر کسرہ تھا تو ثا کے حذف کرنے کے بعد۔ (راء) پر کسرہ ہی پڑھا جائے گا۔ گویا کہ آخری حرف حذف ہوا ہی نہیں۔ یا حارِ پڑھیں گے اس کو من لا ینتظر کہتے ہیں اور یہ کم ہے۔

چھٹی بات: مندوب کی لغوی واصطلاحی تعریف اور حکم:

"وقد استُعملوا صِیغة النِّدا فی المندوب الخ.

''استعملوا صيغة النداء کا مطلب یہ ہے کہ مندوب کو منادی کے ساتھ چونکہ کئی چیزوں میں مناسبت ہے مثلاً یا حرف نداء کے داخل ہونے میں نیز معرب اور مبنی ہونے میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو منادی کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے منادی کے بعد مندوب کو ذکر کیا۔ حرف نداء مندوب پر داخل ہو جائے تو عمل نصب کا کرتا ہے خواہ یہ مندوب مضاف ہو۔ جیسے'' يا غلامكاه''

صيغة النداء کے بعد یا خاصۃ لانے کا فائدہ یہ ہے کہ مندوب میں ندا کے سب صیغے نہیں آتے صرف حرف یاء داخل ہوتا ہے کیونکہ حروف نداء میں یاء زیادہ مشہور ہے اس لئے اس میں تفہیم کی گئی اور منادی کے ساتھ ساتھ مندوب میں بھی اس کو استعمال کیا گیا۔

(۱) والمندوب في اللّغة الخ

مندوب لغت میں اس میت کو کہتے ہیں جس کی خوبیوں کو یاد کر کے رویا جائے تاکہ سامعین اس کی موت کو عظیم سانحہ خیال کریں۔

(۲) مندوب اصطلاح میں مصنفؒ نے ''وهو المتفجع عليه الخ''

سے بیان کیا کہ مندوب اس ذات کا اسم ہے جس کی وجہ سے دردمندی کا اظہار کیا جائے حرف یا۔ یا واؤ کے ذریعے سے جیسے ''يا زيداه وازيداه'' پھر متفجع علیہ عام ہے وجوداً ہو یا عدماً یعنی اس کے وجود پر افسوس کا اظہار کیا جائے یا اس کے عدم پر افسوس کا اظہار کیا جائے۔ عدم کی مثال ''يا زيداه وازيداه'' زید کے مرنے اور معدوم ہونے پر افسوس کا اظہار کیا گیا۔ وجود کی مثال '' واحَسْرَتاهُ يامصيبتاهُ'' زید کے مرنے کی وجہ سے جو مصیبت اور حسرت موجود ہوئی اس پر ندبہ کیا جا رہا ہے آخر میں ھاء وقف کی ہے جو درازی آواز کے لئے ہے اور درازی آواز مندوب میں مطلوب ہے۔

الفرق بين المناديٰ والمندوب:

(۱) واؤ مندوب کے ساتھ خاص ہے منادیٰ میں استعمال نہیں ہوتا۔ جیسے '' واغلامكموه''۔

(۲) نکرہ منادیٰ واقع ہوتا ہے بخلاف المندوب فلایقال وارجلاہ ۔
(۳) ترخیم منادیٰ میں جائز ہے بخلاف المندوب ۔
(۴) منادیٰ میں یاء کا حذف جائز ہے بخلاف المندوب ۔
(۵) منادیٰ کا حذف جائز ہے قرینہ کے وقت بخلاف المندوب ۔
(۶) اسم مضاف ہو ضمیر مخاطب کی طرف تو مندوب واقع ہوتا ہے ۔جیسے " واغلامہُ" منادیٰ واقع نہیں ہوتا ہے۔"فلایقال یا غلامک "
(۷) حروف نداء منادیٰ پر داخل ہوتے ہیں۔ بخلاف المندوب۔

البتہ یاء عام ہے منادیٰ ومندوب دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مندوب میں اس وقت استعمال ہوگا جب قرینہ ہو وہ قرینہ مندوب کے آخر میں الف کا ہونا ہے۔

وحکمه في الاعراب والبناء حکم المنادی الخ:

ای مثل حکمه لاعین حکمه یعنی مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے میں مثل حکم منادی کے ہے۔ جیسے منادی مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے۔ جیسے یــا زیــدُ اسی طرح مندوب مفرد معرفہ بھی علامت رفع پر مبنی ہوگا۔ جیسے "وازیـــــدُ" وغیر ذلک منادی مضاف ہو تو منادی منصوب پڑھیں گے جیسے عبداللہ اسی طرح مندوب بھی مضاف ہوگا تو منصوب ہوگا جیسے واعبداللہ منادی جب شبہ مضاف منصوب ہوگا جیسے یـا طالعًا جبلاً سی مندوب بھی ہوگا تو شبہ مضاف ہو تو منصوب ہوگا جیسے واطالعاً جبلاً ۔

مندوب کے آخر میں الف کو زیادہ کرنا جائز ہے کیونکہ ندبہ میں چونکہ درازی آواز مطلوب ہے اس لئے مندوب کے آخر میں الف لانا جائز ہے مثلاً "ازیـد" کے بجائے "وازیـدا" کہیں گے اور وقف کی حالت میں ھا بھی لاسکتے ہیں۔ جیسے "وازیداہُ"

فان خفت اللبس قلت واغلامکیه واغلامکموه الخ:

عبارت مذکورہ میں دو مثالیں ذکر کی ہیں۔(۱) واغلامکیه (۲) واغلامکموہ۔
ان دونوں میں الف کو یاء اور واؤ سے بدل دیا گیا کیونکہ پھر التباس لازم آتا واحد مؤنث حاضر کا واحد مذکر حاضر سے مثال اول میں کیونکہ پتہ نہ چلتا کہ واحد مؤنث حاضر کے غلام کا

ندبہ کیا جارہا ہے یا واحد مذکر حاضر کے غلام کا اس لئے التباس سے بچنے کے لئے الف کو یاء سے بدل دیا گیا تو **واغلامکیہ** کہیں گے۔

دوسری مثال میں جمع مذکر حاضر کے غلام کا ندبہ کیا جارہا ہے یا تثنیہ مذکر حاضر کے غلام کا اس لئے الف کو واؤ سے بدل دیا تو **واغلامکموہ** کہیں گے۔

یہ ندبہ صرف اور صرف معروف اور مشہور شخص کا ہوتا ہے تا کہ مندوب کی شہرت اور متعارف ہونے کی وجہ سے ندبہ میں ندبہ کرنے والے کے ساتھ لوگ شریک ہو جائیں غیر مشہور شخص کو ندبہ کرنے میں لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے۔اسی وجہ سے **وارجلاہ** نہ کہیں گے کیونکہ **رجل** نکرہ ہے اس لفظ کے ساتھ کوئی خاص مندوب مشہور نہیں ہے جس کی طرف ذہن منتقل ہو جاتے ہیں۔

وامتنع وازیداہ الطویلاہ الخ:

مندوب کے آخر میں تو الف کی زیادتی درازی آواز کے لئے جائز ہے لیکن مندوب کی صفت کے آخر میں الف کی زیادتی جائز نہیں۔مثلاً "**وازیداہ الطویل**" کہیں گے لیکن "**وازیداہ الطویلاہ**" نہ کہیں گے۔

خِلافًا لیونسؒ:

ان کے نزدیک مندوب کی صفت کے آخر میں الف کی زیادتی جائز ہے۔ان کی دو دلیلیں ہیں (۱) عقلی (۲) نقلی

دلیل عقلی

(۱) دلیل عقلی یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت ہوتی ہے دونوں ایک نہیں ہوتے پھر بھی باوجود مغایرت کے مضاف الیہ کے آخر میں الف کی زیادتی جائز ہے۔جیسے "**یاامیر المومنیناہ**" سب کے نزدیک جائز ہے تو پھر صفت کے آخر میں کیوں جائز نہ ہو جبکہ وہ دونوں متحد ہیں۔مثلاً "**زید الطویل**" **زید** اور **طویل** دو الگ الگ نہیں دونوں کا مصداق ایک ہے تو پھر اتحاد ذاتی کے ہوتے ہوئے صفت کے آخر میں الف کی زیادتی کو کیوں منع کیا جاتا

ہے۔(۲) دلیل نقلی: یہ ہے کہ ایک اعرابی کے دو پیالے گم ہو گئے تھے، اس نے "واجمجمتی الشامیتناہ" کہا تھا اس مثال میں "شامتیناہ جمجمتی" کی صفت ہے اور اس کے آخر میں الف لایا گیا، معلوم ہوا کہ صفت کے آخر میں الف کی زیادتی جائز ہے۔

جمہور علماء کی طرف سے دونوں (۲) دلیلوں کا جواب:

(۱) جواب ترکیب اضافی پر ترکیب توصیفی کو قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے جو صحیح نہیں ہے کیونکہ مضاف الیہ کے بغیر مضاف کے معنی پورے نہیں ہوتے اس لئے مضاف الیہ مضاف کے جز کی طرح ہے تو ان میں اتصال قوی ہے اور موصوف صفت کے درمیان ایسا اتصال نہیں پایا جاتا ہے۔

(۲) جواب یہ ہے کہ یہ شاذ اور غیر صحیح ہے۔

ساتویں بات: یا حرف نداء کا حذف:

ویجوز حذف حرف النداء الخ:

منادی سے یا حرف نداء کا حذف کرنا اس وقت جائز ہے جب منادی اسم جنس یا اسم اشارہ یا منادی مستغاث یا مندوب نہ ہو بلکہ علَم ہو۔ جیسے "یوسف اعرض عن ھذا" مضاف ہو۔ جیسے "ربنا اتنا" موصوف ہو۔ جیسے "ایتھا النفس المطمئنۃ" موصول ہو۔ جیسے "من لایزل محسناً الی" لیکن اگر مذکورہ بالا چیزیں پائی جائیں تو پھر حرف نداء کا حذف کرنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اسم جنس اور اسم اشارہ کا منادی کثیر الوقوع نہیں ہے اس لئے حرف نداء کے حذف ہو جانے کے بعد اسم جنس اور اسم اشارہ کے منادی ہونے کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا۔

منادی مستغاث اور مندوب سے حرف نداء کا حذف کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ ان دونوں میں درازی آواز مطلوب ہے اور حذف اس کے منافی ہے۔

تین مثالیں اسم جنس کی ہیں ان میں سے حرف نداء کا حذف ہے، ان مثالوں سے حرف نداء کا حذف شاذ ہے وہ یہ ہے (۱) "اَصْبِحْ لَیْلُ" (۲) "افتد مخنوق" (۳) "الطرق

کروا" اطرق کرا سے مراد یہ ہے کہ ایک منتر ہے جس کو پڑھ کر کروان پرندہ کا شکار کر لیا جاتا تھا۔

آٹھویں بات: منادیٰ کا حذف:

وقد یحذف المنادی لقیام قرینه الخ:

جب قرینہ پایا جائے تو اس وقت منادی کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے " الا یا اسجدوا" میں یہاں قرینہ یہ ہے کہ یا حرف نداء فعل پر داخل نہیں ہوتا تو اس سے معلوم ہوا کہ یاء کا مدخول "اسجدوا" نہیں ہے بلکہ منادی یہاں پر محذوف ہے اور اصل میں یا" قومی اسجدوا" ہے۔

(۳) الثالث ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر الخ

ان چار (۴) جگہوں میں سے جہاں مفعول بہ کے عامل ناصب کو وجوباً قیاساً حذف کیا جاتا ہے۔ یہ تیسری جگہ "ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر" ہے اس میں تین (۳) چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر کی تعریف:

(۲) ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کی اعراب کے اعتبار سے کتنی صورتیں ہیں؟

(۳) واعلم انه قد سبق الخ عبارت کا مطلب کیا ہے؟

(۱) پہلی بات: "ماضمر عامله علی شریطة التفسیر" کی تعریف:

تعریف یہ ہے کہ وہ اسم جس کے بعد کوئی ایسا فعل یا شبہ فعل ہو کہ وہ اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم سے اعراض کرنے والا ہوا یسے طور پر کہ اگر اس فعل یا شبہ فعل کو یا اس کے مناسب مترادف یا مناسب لازم کو اس پر مسلط کر دیں یعنی ضمیر یا متعلق کو حذف کر کے فعل یا شبہ فعل کا اس اسم کو معمول بنا دیں تو وہ اس کو نصب دے۔ شریطۃ اور شرط کا ایک ہی معنی ہے۔

(۱) مثال "زیداً ضربتهٗ" زید اسم ہے اس کے بعد فعل ہے جو زید کی ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے زید سے اعراض کرنے والا ہے، اب اگر ضربتهٗ کو ضمیر سے جدا کر کے

زید پر مسلط و مقدم کردیں، تو زید کو نصب دے گا جیسے " ضربتُ زیداً "اصل میں یوں عبارت تھی۔" ضربتُ زیداً ضربتُهٗ "، ضربتُ فعل کو حذف کیا گیا کیونکہ بعد میں فعل ضربتُهٗ آرہا ہے جو اس کی تفسیر کررہا ہے پہلا ضربتُ مفسَّر ہے، دوسرا فعل ضربتُهٗ مفسِّر ہے۔

اب اگر اول فعل کو حذف نہیں کرتے تو مفسَّر اور مفسِّر کا اجتماع لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں لہٰذا اول ضربتُ کو حذف کرنا واجب ہے۔

شبہ فعل کی مثال (۲)۔" زیداً انت ضارِبُهٗ" اس مثال میں زیداً مفعول بہ ہے کیونکہ زیداً ایسا اسم ہے کہ اس کے بعد شبہ فعل ہے جو انت ضمیر مبتدا پر سہارا لے کر (ہٗ) ضمیر راجع بسوائے زید میں عمل کرنے کی وجہ سے زید سے اعراض کرنے والا ہے ایسے طور پر کہ اگر ضاربہ کو ضمیر سے جدا کر کے زید پر مسلط کردیں تو یہ شبہ فعل زید کو نصب دے گا" انت ضاربٌ زیداً" میں انت مبتداء ضاربٌ اسم فاعل شبہ فعل زیداً منصوب مفعول بہ اصل عبارت یوں تھی۔ "انت ضارب زیداً " انت ضاربه اس کی تفسیر کررہا ہے اگر دونوں کو ذکر کریں تو مفسَّر اور مفسِّر کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں یہاں بھی پہلے "ضاربٌ " حذف کرنا واجب ہے کیونکہ آخیر میں ضاربه ہے۔

مناسب مترادف کو مسلط کرنے کی مثال "زیدٌ مررتُ به " یہ اس فعل کی مثال ہے جو اسم کی ضمیر میں عمل کرنے اور مشغول ہونے کی وجہ سے اس اسم سے اعراض کرنے والا ہے۔ جب خود اس فعل کو اسم پر مسلط کریں تو نصب نہیں دیتا لیکن اگر اس کے مناسب مترادف کو مسلط ومقدم کریں تو اس اسم کو نصب دیتا ہے جیسے " زیدًا" اسم ہے اس کے بعد مررت به فعل جو زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر (ہ) میں مشغول ہونے کی وجہ سے زید میں عمل نہیں کررہا بلکہ اعراض کرنے والا ہے۔" زیدٌ مررت به" اصل میں "جاوزتُ زیداً مررت به" ہے جاوزتُ کو حذف کرنا واجب ہے کیونکہ آگے مررتُ به اس کی تفسیر کررہا ہے۔

(۴) مناسب لازم کی مثال:" زیداً ضربت غلامه"۔ یہ اس فعل کی مثال ہے جو اسم کے متعلق میں عمل کرنے اور مشغول ہونے کی وجہ سے اس اسم سے اعراض کرنے والا ہے اور جب خود اس فعل کو مسلط کریں تو نصب نہیں دیتا لیکن اگر مناسب لازم کو مسلط کریں تو

نصب دیتا ہے۔جیسے "زیداً" اسم ہےاس کے بعد "ضربتُ "فعل ہے جوزید کے متعلق یعنی زید کے ساتھ تعلق پکڑنے والے اسم یعنی غلام میں عمل کرنے اور مشغول ہونے کی وجہ سے خودزید سے اعراض کرنے والا ہے۔" زیداً ضربتُ غلامهٗ"اصل میں "اهنتُ زیداً ضربتُ غلامهٗ" اب یہاں بھی "اهنتُ "کوحذف کرنا واجب ہے کیونکہ آگے فعل " ضربتُ غلامهٗ" اس کی تفسیر کررہا ہے۔اگر حذف نہ کریں تو مفسَّر اور مفسِّر کا اجتماع لازم آیگااور یہ جائز نہیں ہے۔

(۲)دوسری بات:"مااضمِر عامله عليٰ شريطة التفسير "کااعراب:

" ما اضمر عامله عليٰ شريطة التفسير" کی باعتباراعراب کے پانچ صورتیں بنتی ہیں۔

(۱)اسم کومرفوع پڑھنا مختار ہے۔(۲)اسم کومنصوب پڑھنا مختار ہے۔(۳)اسم کو مرفوع پڑھنا واجب ہے۔(۴)اسم کومنصوب پڑھنا واجب ہے۔(۵)اسم کومرفوع اور منصوب دونوں پڑھنا جائز ہے۔

(۱)ويختار الرفع بالابتداء الخ:

رفع کے مختار ہونے کی دوجگہیں ہیں (۱)رفع کے خلاف کوئی قرینہ مرجحہ نہ ہو۔ جیسے "زيدٌ ضربتهٗ" ہےاس میں "ضربت"فعل زید کے بعد ہے جس کے اندر احتمال ہے کہ زید سے پہلے ضربتُ فعل محذوف ہواور زید کے بعدوالا فعل اس کی تفسیر ہو یہ نصب کا قرینہ مصححہ ہےاور یہ تصور کیا جائے کہ زید سے پہلے کوئی فعل نہیں ہےاوروہ عوامل لفظیہ سے خالی ہےتو یہ اس کے رفع کا قرینہ ہے لیکن اس میں حذف نہیں ماننا پڑتا اس لئے رفع کوترجیح دی جائے گی۔

(۲) رفع کا قرینہ مرجحہ اورنصب کے قرینہ مرجحہ سے زیادہ قوی ہوتواس کی دوجگہیں ہیں۔(۱)اسم جومظان میں ہےاس پراماداخل ہواوراسم کے بعد جملہ خبریہ ہو جملہ انشائیہ نہ ہو۔اما کی مثال جیسے " لقيتُ القوم واما زيدٌ فاكرمتهٗ" اس میں زیدٌکاعامل لفظی سے خالی ہونا۔رفع کا قرینہ مصححہ ہےاوراس کے بعدفعل کا ہوناجس کے اندرفعل محذوف کے تفسیر

کی صلاحیت ہے یہ نصب کا قرینہ مصحح ہے۔

اور زید کے بعد والے جملہ کا ماقبل کے جملہ پر عطف یہ نصب کا قرینہ مرجح ہے کیونکہ زید سے پہلے "لقیت القوم" جملہ فعلیہ ہے اور زید سے پہلے اگر فعل کو محذوف مانا جاتا ہے اور زید پر نصب پڑھا جاتا ہے تو یہ بھی جملہ فعلیہ ہوگا اس طرح سے دونوں جملوں میں مناسبت ہو جائے گی۔

اما کا اسم مذکور پر داخل ہونا یہ رفع کا قرینہ مرجح ہے اور یہ قرینہ نصب کے قرینہ سے زیادہ قوی ہے۔

(۴) اسم مذکور پر اذا مفاجات داخل ہو۔ جیسے " خرجتُ فاذا زیدٌ یضربه عمرو" اس میں بھی رفع اور نصب کا قرینہ مصحح وہی ہے جو اس سے پہلے اما کی مثال میں بیان کیا گیا ہے۔

(۲) یختار النصب بالعطف فعليةً للتناسب الخ:

نصب کے مختار ہونے کی چھ جگہیں ہیں۔

(۱) اسم مذکور جس جملہ میں واقع ہو اس جملہ کا عطف ماقبل جملہ فعلیہ پر ہوتا ہے اس لئے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان تناسب حاصل ہو جائے۔ جیسے " خرجتُ فزیداً لقیتهُ" اس میں زیدًا سے پہلے خرجتُ جملہ فعلیہ ہے تو اگر زیداً پر نصب پڑھا جائے تو اس سے پہلے فعل مقدر ہوگا تو معطوف اور معطوف علیہ دونوں جملہ فعلیہ ہوں گے اور دونوں میں مناسبت ہوگی اور اگر زیدٌ پر رفع پڑھا جائے تو معطوف علیہ جملہ فعلیہ ہوگا اور معطوف جملہ اسمیہ ہوگا تو دونوں میں مناسبت نہ ہوگی کیونکہ نصب کو ترجیح دی جائے گی۔

(۲) حرفِ نفی کے بعد اسم مذکور واقع ہو۔ یہاں حرف نفی سے مراد (۱) ما، (۲) لا، اور (۳) اِنْ ہیں یہ تینوں اسم پر واقع ہوتے ہیں۔ باقی لم، لما، لن یہ تینوں (۳) فعل مضارع پر داخل ہوتے ہیں۔

(۱) ما کی مثال۔ جیسے "ما زیداً ضربتهُ" (۲) لا کی مثال۔ جیسے " لا زیداً ضربتهُ" (۳) اِنْ کی مثال۔ جیسے" اِنْ زیداً ضربتهُ الا تادیباً"

(۳) اسم حرف استفہام کے بعد واقع ہے۔ جیسے " ازیداً ضربتهُ "

(۴) اذا شرطیہ اور حیث کے بعد واقع ہو۔ جیسے "حیث زیدًا تجده فاکرمهُ اذا عبدالله تلقه فاکرمه".

(۵) امر اور نہی سے پہلے اسم مذکور واقع ہو۔ امر کی مثال۔ جیسے " زیدًا اضربهُ" نہی کی مثال۔ جیسے " زیدًا لاتضربهُ" ان دونوں مثالوں میں زیدًا سے پہلے فعل مقدر ہوگا جس کی تفسیر مابعد والا فعل کر رہا ہے تقدیر عبارت یوں تھی۔ "اضرب زیدًا اضربهُ" "ولاتضرب زیدًا لاتضربه" نصب مختار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان جگہوں میں اکثر فعل لایا جاتا ہے اور چونکہ لفظوں میں نہیں ہے اس لئے فعل مقدر مانا جائے گا اور جب فعل مقدر ہوگا تو نصب اولیٰ ہوگا۔

(۶) جب مفسَّر کا التباس صفت کے ساتھ لازم آتا ہو۔ جیسے "انا کُلَّ شیٍٔ خلقناه بقدر " اس مثال میں کل کو نصب اضمار علی شریطة التفسیر کی بناء پر تقدیر عبارت یہ ہوگی" خلقنا کل شی خلقناه بقدر" کل شی خلقنا" کا مفعول بہ ہے۔

(۳) ویستویٰ الامران فی مثل زیدٌ قام وعمراً اکرمه الخ:

یہاں سے وہ صورتیں بیان کرتے ہیں جس میں رفع اور نصب دونوں مساوی ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اس جملہ کا عطف جس میں مااضمر عاملہ کی شریطۃ التفسیر واقع ہے ایسے جملے اسمیہ پر کیا جائے جس کی خبر جملہ فعلیہ ہو تو اس صورت میں اسم مذکور پر رفع اور نصب دونوں مساوی ہیں۔ جیسے مثال مذکور میں " عمراً اکرمته" ایک جملہ ہے۔ "زید قام" دوسرا جملہ ہے۔

اس جملہ میں دو احتمال ہیں۔ (۱) اگر عمرو پر رفع پڑھا جائے تو عمرو کا عطف زیدٌ قام پر ہوگا یعنی پورے جملہ پر۔ (۲) اور اگر عمرًا پر نصب پڑھا جائے تو پھر عمرًا کا عطف صرف قام پر ہوگا اور عطف میں یہ دونوں صورتیں مساوی ہیں دونوں میں معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان مناسبت ہے اس لئے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی جائے گی اور رفع ونصب دونوں برابر ہوں گے۔

(۴) ویجب النصب بعد حرف الشرط وحرف التخصیص نحو ان زیدًا ضربتهٗ الخ:

یہاں سے نصب کے وجوب کی صورتیں بیان کرر ہے ہیں۔وہ دو (۲) ہے۔

(۱) حرف شرط کے بعد اسم مذکور واقع ہو۔جیسے " اِنْ زیدًا ضربتهٗ ضَرَبَکَ"

اصل عبارت یہ تھی "ان ضربت زیدًا ضربتهٗ ضربک"

(۲) حرف تخصیص کے بعد اسم مذکور واقع ہو۔جیسے " هلا زیداً ضربتهٗ "اصل یہ تھی "هلاضربت زیدًا ضربتهٗ" ہے پہلے فعل کوحذف کردیااور زیدًا کے بعد والا فعل اس کی تفسیر کررہا ہے۔

ولما فرغ من مواضع اختیار الرفع و النصب ووجوب النصب.

شرع فی مواضع وجوب الرفع فقال مثل ازید ذهب به منه فالرفع وکذا قوله تعالیٰ " کُلُّ شَیءٍ فَعَلُوْهُ فِی الزُّبُرِ الخ

(۵) یہاں سے رفع کے وجوب کی صورتیں بیان کرر ہے ہیں۔اس کی دومثالیں ہیں اوردونوں مثالیں ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کے باب میں سے نہیں ہیں کیونکہ اس کی تعریف اس پرصادق نہیں آرہی ہے۔وہ یہ ہے کہ جواسم ایسا ہو کہ اس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہواوروہ فعل یا شبہ اس اسم کی ضمیر پرعمل کرنے کی وجہ سے،یا اس کے متعلق پرعمل کرنے کی وجہ سے اس اسم پرعمل نہ کررہا ہولیکن اگراس فعل کو،یا اس کے مناسب کواس اسم پرمقدم کردیا جائے ،تو اس اسم پرنصب آئے اوردونوں مثالوں میں "ذَهَبَ " اور " فَعَلُوْهُ" کواگراسم پرمقدم کرے تو پہلی مثال میں زید کونصب نہ دے گا کیونکہ باء کیساتھ مقدم کرتے ہیں تو عبارت ہوگی۔ ذهب بزیدٍ تو اس صورت میں زید مجرور ہوگا۔اوراگر بغیر باء کے مقدم کرتے ہیں تو عبارت ہوگی ذُهِبَ زیدٌ اور یہ فعل مجہول ہے وہ اپنے نائب فاعل کورفع دیتا ہے نہ کہ نصب۔

اوراگراس کا مناسب اُذْهِبَ نکالا جائے تو وہ بھی مجہول ہے۔نائب فاعل کورفع دے گا نہ کہ نصب۔تو جب تسلیط کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی تو یہ باب اضمار سے خارج ہوگا۔

اوردوسری مثال میں اگراسم مذکور پرنصب پڑھیں تو معنی فاسد ہوجائے گا جیسا کہ

آیت مذکورہ میں اگر فعل کو مقدم کریں تو عبارت'' فَعَلُوْہُ کل شی فی الزبر" اس صورت میں ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں۔

(۱) "کل شیء فعلوہ" کا مفعول اور فی الزبر متعلق فعلوۃ کا ترجمہ یہ ہوگا۔(کہ لوگوں نے اعمال کئے نامہ اعمال میں)اور یہ معنی فاسد ہے کیونکہ نامہ اعمال لوگوں کے اعمال کا محل نہیں۔

(۲) فعلوہ ،فعل فاعل، کل مضاف شی موصوف فی الزبر جار مجرور متعلق ثابتٌ کے شی کی صفت موصوف مل کر مضاف الیہ ہوا کل کا مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فعلوہ کا مفعول فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ترجمہ یہ ہوگا(نامہ اعمال میں جو چیزیں درج ہیں ان سب کو بندوں نے کیا ہیں)اس صورت میں معنی فاسد نہیں ہوتے لیکن مقصود کے خلاف ہے۔اس لئے کہ مقصود تو یہ ہے کہ لوگوں کے سارے اعمال نامہ اعمال میں درج ہیں یہ مقصد نہیں کہ کچھ نامہ اعمال میں درج ہے وہ بندوں کے افعال ہیں۔معلوم ہوا کہ نصب کی صورت میں یا تو معنی کا فساد لازم آتا ہے۔یا مقصود کے خلاف لازم آتا ہے اور رفع کی صورت میں ان دونوں خرابیوں میں سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ اس صورت میں ترکیب یہ ہوگی۔

کُلُّ مضاف شی موصوف فعلوہ پورا جملہ شیء کی صفت موصوف اپنے صفت سے مل کر کل کے لئے مضاف الیہ ہوا مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتداء فی الزبر ثابت" سے متعلق ہو کر خبر ہوا مبتداء کے لئے ،مبتداء اپنے خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ:(ہر ایسی چیز جو بندوں نے کی ہے وہ سب نامہ اعمال میں درج ہے کوئی چیز چھوٹی نہیں)یہ معنی اللہ پاک کے قول'' کل صغیرٍ و کبیر مستطر"کے عین موافق ہیں۔

(۳) تیسری بات'' واعلم انه قد سبق ان الاسم المذکور اذا کان الفعل الخ"عبارت کی مطلب کیا ہے؟:

اس سے پہلے یہ بیان ہوا کہ جس اسم پر ما اضمر عامله علی شرایطة التفسیر

کا گمان ہوتا ہو وہ اگر امر یا نہی سے پہلے واقع ہو تو اس پر نصب مختار ہوتا ہے اسی قاعدہ کے بنا پر "الزانیة والزانی" جو آیت مذکور میں واقع ہے اس پر نصب ہونا چاہئے۔ حالانکہ قراء حضرات ان پر رفع پڑھنے میں متفق ہیں نہ کہ نصب۔ لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ یا نحویوں کا قاعدہ غلط ہے یا قراء حضرات کا اتفاق ۔اس کا جواب مبردؒ اور سیبویہؒ دیتے ہیں مبرد کے نزدیک آیت میں فاجلدوا فاء بمعنی شرط ہے، سیبویہؒ کہتے ہیں کہ آیت دو (۲) جملے ہیں۔

امام مبردؒ فرماتے ہیں کہ "الزانیة والزانی" یہ دونوں اسم فاعل کے صیغے ہیں اور اسم فاعل پر جو الف لام آتا ہے وہ اسم موصول ہے اور اسم فاعل اس کا صلہ ہے موصول صلہ مل کر مبتداء ہے۔

جو معنی شرط کو متضمن ہے۔ اور اس کی خبر فاجلدوا ہے جو جزا کے درجہ میں ہے اور اس پر جو فاء داخل ہے۔ وہ فاء جزائیہ اور سببیہ ہے جس کی وجہ سے مابعد کا ماقبل سے ربط پیدا ہو گیا۔ جیسا کہ جزاء کا ربط شرط کے ساتھ ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ فاء جزائیہ سببیہ مابعد اور ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔

اس لئے "اجلدوا" کو "الزانیة والزانی" پر مقدم نہیں کر سکتے لہٰذا یہ باب ما اضمر سے نہ ہوا۔

امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دو جملے ہیں۔

(۱) "الزانیة والزانی" سے پہلے مضاف محذوف ہے، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتداء اور خبر بھی محذوف ہے "فیما یُتلی علیکم" آیت کی تقدیر حکم الزانیة والزانی فیما یُتلی علیکم" حکم الزانیة والزانی " مبتداء، اور " فیما یتلی علیکم " خبر ہے۔ مبتداء اور خبر مل کر جملہ اسمیہ ہے اور " فاجلدوا الخ" یہ علیحدہ جملہ ہے اور قاعدہ ہے کہ ایک جملہ کا جزء دوسرے جملہ کے جزء پر عمل نہیں کرتا اس لئے " اجلدوا" کو " الزانیة والزانی" پر مقدم کر کے اس کو نصب نہیں دے سکتے، امام سیبویہؒ کے نزدیک بھی فا سببیہ جزائیہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے "ان ثبت زناھما فاجلدوا"

ان ثبت زنا ھما جملہ شرط ہے اور "فاجلدوا" جزا ہے۔

والا فالمختار النصب الخ.

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر فاء بمعنی شرط نہ ہو اور نہ آیت دو جملے ہوں تو پھر نحویوں کے قاعدہ کے مطابق نصب مختار ہونا چاہئے کیونکہ اسم مذکور امر سے پہلے واقع ہے۔

(۴) الرابع التحذیر وھو معمول بتقدیر اتق الخ.

جن جگہوں میں مفعول بہ کے عامل نصب کو وجوباً قیاساً حذف کیا جاتا ہے ان میں سے چوتھی تحذیر ہے۔ اس جگہ میں فعل ناصب کو حذف کرنے کا سبب تنگی مکان اور قلت فرصت ہے۔ اس میں چار چیزیں مطلوب ہیں۔ (۱) تحذیر کی لغوی تعریف۔ (۲) اصطلاحی تعریف۔ (۳) تحذیر کی قسمیں۔ (۴) تحذیرًا مما بعدہ والی عبارت کی ترکیب

پہلی بات: تحذیر کی لغوی تعریف:

تحذیر لغت میں کسی شی کو کسی شی سے ڈرانا اور کسی شی کو کسی شی سے دور کرنا ہے۔

دوسری بات: تحذیر کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاح میں تحذیر وہ اسم ہے جو اتق مقدر یا بعدٗ مقدر کا معمول ہو اور اس کو اپنے مابعد سے ڈرا گیا ہو یا وہ محذر منہ ہو کر مکرر ہو۔

تیسری بات: تحذیر کی قسمیں ہیں:

تحذیر کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اتق یا بَعِدْ کا معمول ہو اور اس کو مابعد سے ڈرایا جائے۔ اسوقت یہ معمول خود محذر ہوگا اور اس کا مابعد خود محذّ رمنہ ہوگا۔ جیسے قولہ علیہ السلام " ایاکم والاقراد"

(۲) اتق وغیرہ مقدر کا معمول ہو اور محذّ رمنہ مکرر ہو۔ اس وقت یہ معمول محذر منہ ہے جس کو مکرر ذکر کیا گیا ہو اور محذر اس صورت میں مخاطب ہوگا۔ جیسے '' اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذواھم من بعدی'' وقولک الاسد الاسد، الطریق الطریق"

دونوں قسمیں اس بات میں شریک ہیں کہ یہ اتق مقدر یا اس کے ہم معنی کسی فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

(۱) تحذیر کی قسم اول کی دو مثالیں ہیں۔(۱) "ایاک والاسد، (۲) وایاک ان تحذف" پہلی مثال میں محذر منہ اسم تحقیقی ہے اور دوسری مثال میں محذر منہ اسم تاویلی ہے جو ان مصدریہ کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اسی فرق کی وجہ سے دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

"ایاک والاسد" یہ اصل میں " اتقکَ والاسد " یا "بَعِدْکَ والاسد " تھا اتق فعل امر انت ضمیر اس کا فاعل (ک) ضمیر مفعول بہ قاعدہ ہے کہ فاعل کی ضمیر اور مفعول کی ضمیر جب فعل کے ساتھ متصل ہو تو یہ ضابطہ افعال قلوب میں جائز ہے جیسے " عَلِمْتُنی" میں ت ضمیر فاعل ہے یا ی ضمیر متکلم مفعول بہ ہے دونوں کا مصداق متکلم ہے لیکن کسی اور فعل میں جائز نہیں۔

ایسی صورت میں پھر درمیان میں لفظ نفس کو مفعول بہ کی ضمیر کی طرف مضاف کر کے لایا جاتا ہے لہٰذا یہاں بھی لفظ نفس کا اضافہ کیا گیا تو " اتق نفسک والاسد " ہوا۔ تو پھر تنگی مکان اور قلت فرصت کی وجہ سے اتق کو حذف کیا گیا تو " نفسک والاسد" بچ گیا اب لفظ نفس لانے کی ضرورت ختم ہو گئی کیونکہ وہ تو اتق کی ضمیر انت مستتر متصل اور ک ضمیر متصل کی وجہ لائی گئی تھی، جب اتق انت ضمیر سمیت محذوف ہوئی تو اس کی ضرورت نہ رہی لہٰذا اس کو بھی حذف کیا گیا۔(ک) والاسد رہ گیا (ک) ضمیر متصل بغیر فعل کے متصل نہیں رہ سکتی تو اس ضمیر منصوب متصل کو ضمیر منصوب منفصل ایاک سے بدلا گیا تو "ایاک والاسد" ہو گیا۔"والاسد" کا عطف ہے۔ایاک پر اور اس مثال کا معنی یہ ہے کہ بچا تو اپنے نفس کو شیر سے اور شیر کو اپنے نفس سے ایاک محذر ہے۔اور والاسد محذر منہ ہے۔

(۲) تحذیر کی قسم ثانی کی مثال جیسے "الطریق الطریق" اصل میں " اتق الطریق" تھا اس صورت میں مخاطب محذر ہے اور الطریق محذر منہ ہے مفعول بہ جس کا

تکرار ہے یہاں تنگی مکان کی وجہ سے اتق فعل کو حذف کیا گیا الطریق محذر منہ کو مکرر لایا گیا تاکید کیلئے۔

وتقول فی قسمی النوع الاول "ایاک والاسد" الخ

مصنفؒ یہاں سے تحذیر کی دو قسموں میں یعنی اتق یا بعد کا معمول یا اتق وغیرہ مقدر کا معمول ہو محذر منہ کے استعمال کی صورتیں بیان کرر ہے ہیں محذر منہ کے استعمال کی عقلاً آٹھ صورتیں ہیں ان میں سے تین صورتیں مستعمل نہیں ہیں، پانچ صورتیں مستعمل ہیں۔

محذر منہ اسم تحقیقی ہو (۱) واؤ کے ساتھ ہو یا (۲) من کے ساتھ (۳) واؤ اور من مذکور ہوں گے (۴) یا محذوف اسی طرح اسم تاویلی کی بھی یہی چار (۴) صورتیں ہیں۔ چار اور چار آٹھ۔

جو تین صورتیں مستعمل نہیں وہ یہ ہیں (۱) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور واؤ محذوف ہو (۲) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور واؤ محذوف ہو۔ (۳) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور من محذوف ہو۔

پانچ صورتیں مستعمل ہیں (۱) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور من مذکور ہو (۲) اسم تاویلی ہو اور من مذکور ہو (۳) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور واؤ مذکور ہو۔ (۴) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور واؤ مزکور ہو۔ (۵) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور من محذوف ہو۔

اب مثالوں کو ممثل لہ پر منطبق کریں۔

"ایاک من الاسد" پہلی قسم ہے "ایاک والاسد" تیسری قسم ہے "ایاک من ان "تحذف دوسری قسم ہے۔" ایاک وان تحذف "چوتھی قسم ہے۔ " ایاک ان تحذف" پانچویں قسم ہے۔

چوتھی بات: تحذیراً مما بعد عبارت کی ترکیب:

تحذیراً مفعول ہے اس کا فعل اگر حُذِّر نکالا جائے تو تحذیراً مفعول مطلق ہوگا حُذِّرَ فعل مجہول کا۔

اصل عبارت تھی "حُذِّر ذلک المعمول تحذیرًا الخ

حُذِّرَ فعل مجہول ذلک اسم اشارہ المعمول مشارالیہ اشارہ مشارالیہ سے مل کر نائب فاعل تحذیرًا مفعول مطلق۔

یا تحذیرًا مفعول لہ ہے فعل محذوف ذُکِّرَ کی اصل عبارت تھی" ذُکِّرَ ذلک المعمول تحذیرًا الخ" اس صورت میں ذُکِّرَ فعل مجہول " ذلک المعمول" نائب فاعل تحذیرًا مفعول لہ ہوگا۔

المفعول فیہ ھو ما فعل فیہ فعل الخ

مفاعیل خمسہ میں سے تیسری قسم مفعول فیہ ہے۔

مفعول فیہ میں پانچ چیزیں مطلوب ہیں۔ (۱) مفعول فیہ کی تعریف (۲) مفعول فیہ کی قسمیں (۳) مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط کیا ہے؟ (۴) کذا ما بعد دخلت الخ عبارت کا مطلب کیا ہے۔ (۵) مفعول فیہ کا عامل پوشیدہ ہوتا ہے اس کی کتنی صورتیں ہیں۔

(۱) پہلی بات مفعول فیہ کی تعریف:

مفعول فیہ نام ہے اس زمان یا مکان کا جس میں فاعل کا فعل واقع ہو، فعل سے مراد فعل اصطلاحی نہیں جو اسم وحرف کے مقابلے میں ہو بلکہ فعل لغوی مراد ہے۔ یعنی حدث

(۲) دوسری بات مفعول فیہ کی قسمیں:

مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ظرف زمان (۲) ظرف مکان۔ (۱) ظرف زمان کی دو قسمیں ہیں (۱) مبہم (۲) محدود۔

ظرف مکان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مبہم (۲) محدود

ظرف زمان مبہم وہ ہے جن کے لئے کوئی حد معین نہیں جیسے دھر بمعنی مطلق زمانہ اور حین بمعنی مطلق وقت دوسری قسم ظرف زمان محدود وہ ہے جن کے لئے کوئی حد معین ہے۔ جیسے یوم

بمعنی دن لیلۃ بمعنی رات۔ شھر بمعنی مہینہ سنۃ بمعنی سال ان سب کے لئے حد مقرر ہے۔

ظرف مکان مبہم وہ ہے جن کے لئے کوئی حد معین نہیں۔ جیسے جھات ستّہ (۱) فوق۔ (۲) تحت۔ (۳) یمین۔ (۴) شمال۔ (۵) امام۔ (۶) خلف۔

ظرف مکان محدود وہ ہے جن کے لئے کوئی حد معین ہو۔ جیسے دار. مسجد، سوق وغیرہ

"فی" تین جگہوں میں مقدر ہوتا ہے۔ ظرف زمان مبہم جیسے "صمت دھرًا" (۲) ظرف زمان محدود جیسے "سافرت شھراً" (۳) ظرف مکان مبہم جیسے "جلست خلفک"۔ ایک جگہ میں فی لفظوں میں ہوتا ہے، ظرف مکان محدود میں

اور عند اور لدیٰ اور ان دونوں کے مشابہ یعنی دون اور سویٰ کو بھی مکان مبہم پر محمول کیا جاتا ہے اس لئے کہ ان میں ایک قسم کا ابہام ہوتا ہے۔

ولفظ مکان لکثرتہ۔ لفظ مکان بھی مکان مبہم پر محمول ہے اور وجہ کثرت استعمال ہے نہ کہ ابہام، کیونکہ کثرت استعمال تخفیف کی مقتضی ہے اور تخفیف تقدیر فی اور منصوب ہونے کی حالت میں ہے۔

(۳) تیسری بات: مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط:

مفعول فیہ کے منصوب ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ فی مقدر ہو اگر فی لفظوں میں مذکور ہو۔ جیسے "ضربتُ فی یوم الجمعۃ" تو وہ بھی مفعول فیہ ہوگا البتہ منصوب نہیں ہوگا بلکہ مجرور ہوگا گویا کہ مصنفؒ کے ہاں مفعول فیہ دو قسم پر ہے۔ (۱) وہ یہ ہے کہ اس میں فی مقدر ہوتا ہے اس صورت میں مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے۔ (۲) مفعول فیہ وہ ہے کہ جس میں فی لفظوں میں ہوتا ہے اس صورت میں مفعول فیہ مجرور ہوتا ہے یہ مذہب مصنفؒ کا ہے۔

لیکن جمہور نحویوں کے ہاں وہ ظرف مکان جس میں فی مذکور ہوتا ہے۔ جیسے "جلستُ فی المسجد" تو وہ مفعول فیہ بواسطہ حرف جر ہوگا نہ کہ مفعول فیہ کیونکہ جمہور

نحویوں کے ہاں مفعول فیہ وہ ہے جس میں فاعل کا فعل واقع ہو اور فی اس میں مقدر ہو یعنی ان کے ہاں مفعول فیہ کے لئے تقدیر فی شرط ہے اس کے منصوب ہونے کے لئے شرط نہیں بخلاف مصنفؒ کے کہ ان کے ہاں مفعول فیہ کے منصوب ہونے کے لئے تقدیر فی شرط ہے۔ مفعول فیہ ہونے کے لئے شرط نہیں۔

(۴) چوتھی بات: و کذا ما بعد دخلت عبارت کا مطلب:

اس عبارت میں اختلاف ہے جمہور علماء کا اور بعض نحاۃ کا جمہور کا مذہب یہ ہے کہ دخلتُ کے مابعد مفعول فیہ ہے کیونکہ کثرت استعمال میں مکان مبہم کے ساتھ شریک ہے اس لئے اس پر نصب ہوگا۔

بعض نحاۃ نے دخلت کے مابعد کو مفعول فیہ نہیں مانا بلکہ مفعول بہ کہتے ہیں کیونکہ فعل متعدی کے معنی بغیر مفعول بہ کو پورا نہیں کرتے اور مابعد دخلتُ کا یہی حال ہے کہ جب تک کے مابعد کو ذکر نہ کیا جائے، اس وقت تک دخلت کا معنی پورا نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ مابعد دخلت مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں ہے۔ جیسے " دخلت الدار " میں دار مفعول بہ ہے اور اس کے بعد جو ذکر کیا جائے وہ مفعول فیہ ہوگا۔ مثلاً اس کے بعد فی البلد وغیرہ کہا جائے تو دار مفعول بہ ہوگا اور فی البلد مفعول فیہ ہوگا۔

لیکن مصنفؒ نے علی الاصح کہہ کر فرمایا ہے کہ اصح مذہب یہ ہے کہ مابعد دخلتُ مفعول فیہ ہے اور کثرت استعمال میں ظروف مکان مبہم کے مشابہ ہے اس لئے منصوب ہوگا۔

(۵) پانچویں بات: مفعول فیہ کا عامل پوشیدہ ہوتا ہے اس کی صورتیں:

مفعول فیہ کا عامل جو پوشیدہ ہوتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) ما اضمر عامله علی الشریطة التفسیر کے لئے کوئی فعل مفعول فیہ کے بعد ذکر نہیں کرتے تو اس کو ینصب بعامل مضمر بلاشریطة التفسیر سے تعبیر کیا ہے جیسے سائل کے سوال متی سرتُ

کے بعد یوم الجمعة کہا جاتا ہے تو یہاں اصل عبارت سرت یوم الجمعة ہے۔ سوال کے قرینہ کی وجہ سے سرت فعل کو حذف کر دیا گیا یوم الجمعة رہ گیا اس میں سرت فعل محذوف ہے اس کا کوئی فعل تفسیر نہیں کر رہا۔

(۲) اور کبھی ما اضمر عامله کی تفسیر کے لئے فعل لایا جاتا ہے اس کو ینصب بعامل مضمر بشريطة التفسير سے تعبیر کیا ہے جیسے "یوم الجمعه صمت فيه" اصل عبارت صمتُ یوم الجمعة ہے۔ صمتُ فعل کو حذف کر دیا گیا اور صرف یوم الجمعة رہ گیا بعد میں ابہام کو دور کرنے کے لئے یوم الجمعة کے بعد صمتُ فیه لائے ہیں۔ و التفصيل فيه بعينه كما رأ في ما اُضْمر عاملهٗ من اختيار الرفع ويختيار النصب ويستوى الامر ان ويجب النصب.

رفع کے مختار ہونے کی جگہیں (۱) رفع کے خلاف کوئی قرینہ مرجحہ نہ ہو۔ جیسے "یوم الجمعة صُمت فيه" (۲) رفع کا قرینہ مرجحہ نصب کے قرینہ مرجحہ سے زیادہ قوی ہو قوی ہونے کی دو جگہیں ہیں۔ اَمّا داخل ہو یا اذا مناجات داخل ہو اسم مذکور پر۔

نصب کے مختار ہونے کی جگہیں (۱) حرفِ نفی کے بعد اسم مذکور واقع ہو۔ جیسے "مایوم الجمعة صمت فيه" (۲) اذا شرطیہ کے بعد واقع ہو۔ جیسے "و اذا يوم الجمعة صمت فيه فی الصّيف" (۳) جب مفسر کا التباس صفت کے ساتھ لازم آتا ہو۔ جیسے "کُلَّ یوم صمت فيه فی الصيّف"

رفع ونصب دونوں مساوی ہوں۔ جیسے "زیدٌ سَارَ ویوم الجمعة سرت فيه ای معه" نصب واجب ہے جب اسم مذکور حرف شرط کے بعد واقع ہو۔ جیسے "اِنْ یوم الجمعة سرتَ سرتُ فيه"

(۴) المفعول له : هو ما فعل لاجله فعل مذكور الخ

مفاعیل خمسہ میں سے چوتھی قسم مفعول لہ ہے۔

مفعول لہ میں چار چیزیں مطلوب ہیں۔ (۱) مفعول لہٗ کی تعریف۔ (۲) مفعول لہٗ کے مستقل معمول ہونے میں اختلاف۔ (۳) مفعول لہ کی شرط کیا ہے۔ (۴) مفعول لہ

سے لام کے حذف ہونے کی کتنی شرائط ہیں؟

(۱) پہلی بات: مفعول لہ کی تعریف:

مفعول لہ نام ہے اس چیز کا جس کے حاصل کرنے کے لئے جیسے "ضربتُه تاديبًا" یا جس کے پہلے ہی سے موجود ہونے کی وجہ سے کوئی کام کیا گیا ہو۔ جیسے "قعدتُ عن الحرب جُبناً" خواہ وہ کام حقیقۃً مذکور ہو یا حکماً مذکور ہو۔ حقیقۃً مذکور ہو۔ جیسے "ضربتُ زيدًا تاديبًا" یہاں تادیباً کا فعل یعنی "ضربت" حقیقۃً مذکور ہے۔ حکماً مذکور ہو۔ جیسے کسی نے "لم ضربتُ زيدًا" کہا (آپ نے زید کو کیوں مارا؟) اس کے جواب میں وہ کہتا ہے تادیباً (ادب سکھانے کے لئے) اصل میں "ضربتهٗ تاديباً" تھا سوال کے قرینہ سے ضربته فعل کو مقدر کیا گیا۔

(۲) دوسری بات: مفعول لہ کے مستقل معمول ہونے میں اختلاف:

جمہور کے نزدیک مفعول لہ مستقل معمول ہے مگر زجاجؒ کے نزدیک مفعول لہ مستقل معمول نہیں بلکہ اس کو مفعول مطلق من غیر لفظہ کہتے ہیں یعنی فعل مذکور کے مغایر ہو کر اسی کا مفعول مطلق ہے چنانچہ زجاج کے نزدیک "ضربته تاديبا" کا معنی ہے۔ ادبته بالضرب تاديباً "اور "قعدت عن الحرب جبنًا" کا معنی ہے" وجَبُنتُ في القعود عنِ الحرب جُبْنًا"

خلافًا للزجاج: عبارت کا مطلب یہی ہوا:

شارحؒ کو زجاج کی بات پسند نہیں اس لئے اس کو رد کر رہے ہیں کہ تاویل کر کے ایک قسم کو دوسری قسم میں داخل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اول قسم ختم ہو کر ثانی بن جائے ورنہ تاویل سے حال مفعول فیہ ہو جائے گا۔ حالانکہ دونوں مستقل قسمیں ہیں۔ مثلاً "جاء زيدٌ راكبًا" میں راکبًا حال ہے (آیا زید اس حال میں ہے کہ وہ سوار تھا) اس میں تاویل کر کے "جاء زيدٌ في وقت الركوب" والا معنی کیا جا سکتا ہے۔ (آیا زید سوار ہونے

کے وقت میں)۔

فائدہ: مفعول لہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مفعول لہ علۃ مؤثرہ۔ (۲) مفعول لہ علۃ غائیہ

مفعول لہ علۃ مؤثرہ اس کو کہتے ہیں کہ فعل پر مقدم ہو وجود ذھنی اور وجود خارجی دونوں میں ۔جیسے " قعدت' عن الحرب جنباً"۔

مفعول لہ علۃ غائیہ اس کو کہتے ہیں کہ فعل پر مقدم ہو وجود ذھنی میں مؤخر ہو وجود خارجی میں ۔جیسے " ضربته تاديباً"

(۳) تیسری بات: مفعول لہ کی شرط کیا ہے؟:

مفعول لہ کے لئے شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہو تو گویا مفعول لہ، منصوب ہوگا اگر لام لفظوں میں مذکور ہوگا تو مفعول لہ مجرور ہوگا پس مفعول فیہ کی طرح یہاں بھی مصنفؒ کے نزدیک لام کو مقدر کرنا صحت نصب کے لئے شرط ہے نہ کہ صحت مفعول لہ کے لئے جمہور کے ہاں مفعول لہ کی صحت کے لئے لام کا مقدر ہونا شرط ہے اگر لام مذکور ہے تو وہ مفعول لہ نہیں مفعول بہ ہے بواسطہ حرف جر کے۔

(۴) چوتھی بات: مفعول لہ سے لام کے حذف ہونے کی کتنی شرائط ہیں:

مفعول لہ سے لام کے حذف ہونے کی دو شرطیں ہیں ۔(۱) مفعول لہ اپنے فعل کے فاعل کا اثر اور نتیجہ ہو۔ (۲) مفعول لہ اپنے فعل کے ساتھ وجود میں مقارن ہو یعنی اس کا زمانہ اور اس کے فعل کا زمانہ ایک ہو، اس کی تین صورتیں ہیں۔(۱) دونوں کا زمانہ بالکل متحد ہو۔جیسے " ضربته تاديباً " اس میں ضرب اور تادیب دونوں کا زمانہ ایک ہے کیونکہ دونوں درحقیقت ایک ہی ہیں ۔مغایرت صرف اعتباری ہے۔

(۲) فعل معلل بہ کا زمانہ مفعول لہ کے زمانہ کا بعض ہو۔جیسے " قعدت عن الحرب جُبْنًا" جبن کے معنی بُزدلی کے ہیں اور بُزدلی حرب سے پہلے ہے اور قعود عن

الحرب کا زمانہ اس کا بعض ہے یعنی بزدلی جو تمام اوقات میں پائی جاتی ہے، لڑائی کے چند ایام یا چند گھنٹے کے اندر بھی پائی جاتی ہے۔

(۳) مفعول لہ کا زمانہ اپنے فعل معلل بہ کے زمانہ کا بعض پہلو جیسے "شهدت الحرب ایقاعًا للصلح" میں لڑائی میں صلح کرانے کے لئے حاضر ہوا۔

بہر حال مفعول لہ کے زمانہ اور فعل کے زمانہ میں مقارنت کی ان تین صورتوں میں سے کوئی صورت ہونی چاہئے اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر مفعول لہ سے لام حذف نہ ہوگا۔ جیسے " اکرمتک الیوم لوعدی بذلک امس" اس مثال میں لوعدی مفعول لہ سے لام حذف نہیں کیا گیا۔ (ترجمہ: میں آپ کے پاس آج آیا ہوں کیونکہ کل میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا اس میں مجئی کا زمانہ آج ہے اور وعدے کا زمانہ کل گذشتہ ہے۔)

ان شرائط کے پائے جانے کے بعد مفعول لہ مشابہ ہو جائے گا مفعول مطلق کے کیونکہ مفعول مطلق بھی اپنے فعل کے فاعل کا اثر ہوتا ہے اور اس کا فاعل اپنے فاعل کے ساتھ متحد ہوتا ہے اور وجود میں مقارن ہوتا ہے اور جب مفعول لہ میں یہ شرائط پائی جائیں گا تو وہ مفعول مطلق کے مشابہ ہو کر اس کا بھی تعلق فعل سے بلا واسطہ کسی حرف کے ساتھ ہوگا جس طرح مفعول مطلق کا تعلق اپنے فعل سے بلا واسطہ ہے۔

(۵) المفعول معه هو مذكور بعد الواؤ لمصاحبة معمول الخ:

مفاعیل خمسہ میں سے پانچویں قسم مفعول لہ ہے۔

فعل کی اسناد فاعل کی طرف بالاصالت ہوگی یا بواسطۃ الواؤ اگر فعل کی اسناد فاعل کی طرف بالاصالۃ ہو تو فاعل ہے اگر بواسطہ الواؤ ہو تو پھر خالی نہیں ہے عطف کے بعد" مشارک للمعطوف علیہ ہو فعل میں زمان اور مکان کے ساتھ یا صرف مشارک ہو فعل میں بغیر زمان و مکان کی پہلی قسم مفعول معہ دوسری قسم معطوف ہے۔

مفعول معہ میں پانچ چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) معنی لغوی۔ (۲) معنی اصطلاحی (۳) ترکیب (۴) مفعول معہ کا عامل کیا ہے؟

(۵) فان کان الفعل لفظاً ومعنًا کی وضاحت۔

(۱) پہلی بات: مفعول معہ کا لغوی معنی:

فاعل کے ساتھ مصاحبت فعل کے صدور میں ہو اور مفعول میں وقوع فعل میں مصاحبت ہو۔

(۲) دوسری بات: مفعول معہ کا اصطلاحی معنی:

مفعول معہٗ وہ اسم ہے جو واوٗ بمعنی مع کے بعد مذکور ہوٗ بوجہ مصاحبت وساتھ ہونے کے اس کے فعل کا معمول خواہ فاعل ہو تو صدور فعل میں مصاحبت ہوگی جس طرح فاعل سے صدور ہوتا ہے مفعول معہ بھی فاعل کے ساتھ اس میں شریک ہوگا اس سے بھی فعل کا صدور ہوتا ہے۔ جیسے " استوی المَاءُ و الخشبة" اس مثال میں "الخشبة" اور " الماءُ " فاعل کے ساتھ شریک ہیں۔

یا فعل کا معمول مفعول بہ ہے تو وقوع فعل میں مصاحبت ہوگی جس طرح مفعول پر فعل واقع ہوتا ہے مفعول معہ بھی اس کے ساتھ وقوع فعل میں شریک ہوگا۔ جیسے "کـفـاک وزيـدًا درهمٌ "اس مثال میں زیدًا مفعول معہ ہے کیونکہ واوٗ بمعنی مع کے بعد مذکور ہے اور کـفـی فعل کے معمول ک ضمیر جو کہ مفعول بہ ہے اس کے ساتھ یہ شریک ہے کہ ایک درھم دونوں کے لئے کافی ہے۔

(۳) تیسری بات: ترکیب:

المفعول معہ میں الف لام بمعنی الذی کے ہے اور مفعول بمعنی فُـعِـلَ ماضی مجہول ومعہ مفعول مـالـم يسم فاعله فُعِلَ اپنے مفعول مـالـم يسم فاعله صلہ بنے گا موصول کے لئے موصول صلہ مل کر مبتدا اور مذکور بعد الواوٗ الخ یہ خبر ہے۔

(۴) چوتھی بات: مفعول معہ کا عامل کیا ہے؟:

اس میں دو مذاہب ہیں۔ (۱) بعض نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ مفعول معہ کا عامل واوٗ ہے۔ (۲) جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مفعول معہ کا عامل فعل یا معنی فعل ہے البتہ واوٗ بمعنی

مع واسطہ ہے۔

شارحؒ نے بعض نحاۃ کا مذہب پسند نہیں کیا اس لئے اس کو نقل نہیں کیا۔

(۵) پانچویں بات: فان کان الفعل الخ:

مفعول معہ کا عامل فعل یا معنیٰ فعل یعنی کبھی فعل لفظوں میں موجود ہوتا ہے اور کبھی فعل لفظوں میں موجود نہیں ہوتا ہے۔

(۱) اگر فعل لفظوں میں موجود ہو تو مفعول معہ کا عطف فعل کے معمول پر ہو سکتا ہے یا نہیں اگر ہو سکتا ہے تو دو وجہیں جائز ہیں۔ (۱) عطف (۲) نصب بناء بر مفعولیت کیونکہ ان دونوں وجہوں میں سے کسی کے لئے کوئی مانع نہیں۔ جیسے " جئتُ انا و زیدٌ و زیدًا" اس مثال میں جئتُ فعل لفظی ہے اور واؤ کے بعد زید کی تُ ضمیر بارز مرفوع متصل پر عطف جائز ہے کیونکہ جب ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لائی جائے تو ضمیر مرفوع منفصل ہے اس لئے اس پر عطف جائز ہوتا ہے اور یہاں انا ضمیر منفصل تاکید ہے لہٰذا عطف جائز ہے۔

تو اب زیدًا کو بنا بر مفعول معہ کے منصوب پڑھنا بھی جائز ہے اور تُ ضمیر متصل پر عطف ڈال کر مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے۔

اگر عطف ناجائز ہو تو نصب متعین ہوگا جیسے " جئتُ و زیدًا " یہاں ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ نہیں لائی گئی اس لئے عطف صحیح نہیں لہٰذا بناء بر مفعولیت اس پر نصب جائز ہے۔

(۲) اگر فعل معنوی ہو یعنی ایسا فعل ہو جو لفظوں میں موجود نہیں لیکن لفظ سے مستنبط ہو رہا ہے اور سمجھا جا رہا ہے کہ واؤ کے بعد فعل کے معمول پر عطف جائز ہے یا نہیں۔

(۱) اگر عطف جائز ہے تو حرف عطف متعین ہوگا یعنی معطوف علیہ کا جو اعراب ہوگا وہ واؤ کے مابعد والے اسم کا بھی ہوگا اس وقت نصب مفعول معہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ جیسے " ما لزیدٍ و عمروٍ " اس مثال میں عمرو منصوب بناء پر مفعول معہ نہیں ہوگا۔ بلکہ زید پر معطوف ہو کر مجرور ہوگا کیونکہ فعل معنوی عامل ضعیف ہے۔ اور ہے بھی مخفی خلاف ظاہر اور

لـذیـد میں لام جار عامل قوی ہے کیونکہ لفظی ہے اور ظاہر ہے تو عامل لفظی قوی ظاہر کا ہوتے ہوئے عامل ضعیف مخفی کو عمل دینا جائز نہیں۔ لہٰذا عمرو کا زید پر معطوف ہو کر لام جارہ کی وجہ سے مجرور ہوگا۔

(۲) اگر مفعول معہ کا فعل معنوی ہو اور عطف جائز نہ ہو تو اس وقت نصب متعین ہے مفعول معہ ہونے کی وجہ سے اس وقت عامل ضعیف خفی ہی کو عمل دیں گے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں ہوسکتی۔ جیسے " مـالـک و زیـدًا مـا شـانـک و عـمـرًا" دونوں مثالوں میں زیدًا اور عـمـرًا کا عطف ک ضمیر متصل پر نا جائز ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ ضمیر مجرور پر عطف بغیر اعادہ جار (خواہ وہ جار حرف جار ہو یا مضاف ہو) جائز نہیں اور یہاں زیدًا اور عمرًا میں جار کا اعادہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں عطف ممتنع ہے تو نصب متعین ہوگا۔

اگر دوسری مثال میں عمرو کا عطف شانک پر ڈالیں تو یہ بھی نا جائز ہے کیونکہ اس وقت خلاف مقصود لازم آئے گا، مقصود تو مخاطب اور عمرو کی شان سے سوال کرنا ہے نہ کہ ایک کی شان اور دوسرے کی ذات سے اگر شانک پر عطف ہو تو ایک کی شان اور دوسرے کی ذات سے سوال ہوگا کیونکہ اس وقت معنی ہوگا کیا شان وحال ہے تیرا اور کیا ہے عمرو اور یہ معنی خلاف مقصود ہے۔

مصنفؒ یہاں دو مثالیں ذکر کی ہیں۔ (۱) مثال مجرور بحرف الجر کی (۲) مجرور بالمضاف کی

لان المعنی ماتصنع کے بعد و مایماثلہ کا اضافہ کر کے یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ مراد ماتصنع اور اس کا مماثل ہے۔

مصنفؒ نے تین مثالیں بیان کی ہیں اور تینوں میں فعل معنوی ہے کیونکہ ما استفہامیہ ہے اور استفہام اکثر فعل کا ہوتا ہے لہٰذا اس سے فعل سمجھا جا رہا ہے تو پہلی مثال میں مایصنع عامل ہوگا مـا یـصـنـع زیدٌ و عمروٌ (کیا کرتے ہیں۔ زید اور عمرو) باقی دو مثالوں میں عامل ماتصنع ہوگا۔

مالک زیدًا کے معنی ہیں ماتصنع وزیدًا (کیا کرتا ہے تو زید کے ساتھ) اور ماشانک وعمرًا کے معنی ہیں ما تصنع وعمرًا (کیا کرتا ہے تو ساتھ عمرو کے)۔

لما فرغ المصنفؒ عن بیان المفاعیل الخمسة شرع فی بیان الملحقات بالمفاعیل فقال الحال ما یبین هیئة الفاعل او المفعول به او کلاهما الخ

منصوبات کی چھٹی قسم حال ہے:

حال میں نو چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) حال کی لغوی تعریف۔ (۲) حال کی اصطلاحی تعریف (۳) حال جب فاعل یا مفعول سے واقع ہے تو وہ کس میں ہے؟ (۴) حال کا عامل کیا ہے؟ (۵) حال کے لئے شرط کیا ہے؟ (۶) حال عامل معنوی پر کیوں مقدم نہیں ہوسکتا ہے؟ (۷) حال کی کتنی قسمیں ہیں؟ (۸) حال کے عامل ناصب کو کب حذف کرنا ہے؟ (۹) حال ذوالحال پر کب مقدم ہوگا؟

پہلی بات: حال کا لغوی معنی:

تغیر اور تبدیلی کے ہیں اور بمعنی صفت وشان کے بھی آتا ہے۔ جیسے " کیف حالک "یعنی" کیف شانک وصفتک"

دوسری بات: حال کی اصطلاحی تعریف:

حال اصطلاحمیں ایسے اسم کو کہتے ہیں جو فقط فاعل یا فقط مفعول بہ یا دونوں کی حالت پر دلالت کرے صدور فعل میں یا وقوع فعل میں یعنی فاعل سے جب فعل صادر ہوا اس وقت اس کی کیا حالت تھی یا مفعول پر جب فعل واقع ہوا اس وقت اس کی کیا حالت تھی۔ فاعل اور مفعول بہ سے مراد عام ہے حقیقی ہو یا حکمی تا کہ حال میں مفعول مطلق اور مفعول معہ اور مضاف الیہ بھی داخل ہو جائیں۔ مفعول مطلق اگر چہ حقیقۃً مفعول بہ نہیں ہے لیکن حکماً مفعول بہ ہے اسی طرح مفعول معہ اگر چہ فاعل کا ساتھی ہے تو حکماً فاعل ہے اور اگر مفعول بہ کا ساتھی

ہے تو حکماً مفعول بہ ہے۔ اسی طرح مضاف الیہ سے حال اس وقت ہوتا ہے جب مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو۔ پھر اس کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کرنا صحیح ہے۔ جیسے " بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا" اس مثال میں حنيفًا ابراهيم سے حال ہے۔ جو ملة کا مضاف الیہ ہے اور یہاں ملة کو جو مضاف ہے حذف کر کے ابراہیم کو اس کے قائم مقام کر سکتے ہیں۔ اور ملة مفعول بہ ہے نتبع کا اس لئے اس کا قائم مقام یعنی ابراهیم کو مفعول بہ کا درجہ دیا گیا اور اس سے حال کا واقع ہونا صحیح ہو گیا۔

تیسری بات: حال جب فاعل یا مفعول سے واقع ہو:

حال جب فاعل یا مفعول سے واقع ہوتا ہے تو وہ لفظوں میں یا معنی میں ہوتا ہے لفظوں میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت کلام کے لفظ سے سمجھی جاتی ہو کسی ایسے معنی کا اعتبار نہ کرنا پڑتا ہو جو کلام سے خارج ہو۔

پھر فاعل اور مفعول کا ملفوظ ہونا عام ہے خواہ حقیقۃً ملفوظ ہو یا حکماً ملفوظ ہو۔

حقیقۃً ملفوظ ہو جیسے "ضرب زيدٌ عمرًا راكبين" اس مثال میں زید فاعل ہے اور عمرًا مفعول ہے۔ اور دونوں میں حقیقۃً ملفوظ ہیں یا حکماً ملفوظ ہوں۔ جیسے " زيدٌ فى الدار قائماً " ہے۔ اس مثال میں زید مبتداء ہے اور فى الدار ثابت کے متعلق ہو کر زید کی خبر ہے۔ قائمًا ثابت کی ضمیر سے جو زید کی طرف راجع ہے اور ثابتٌ شبہ فعل کا فاعل ہے اس سے قائمًا حال واقع ہے اور ضمیر مستتر حکمًا ملفوظ ہوتی ہے۔

فاعل اور مفعول کے معنوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت کلام کے لفظ اور اس کے ظاہر سے نہ معلوم ہو بلکہ امر معنوی کے اعتبار سے جو کلام سے خارج ہو تو فاعلیت اور مفعولیت کا پتہ چلتا ہے۔ جیسے "هذا زيدٌ قائمًا" اس مثال میں قائمًا زید سے حال ہے اور زید مفعول بہ ہے لیکن اس کی مفعولیت لفظ کے اعتبار سے نہیں سمجھی جاتی بلکہ هذا سے جو اشارہ اور تنبیہ کے معنی سمجھے جاتے ہیں اس سے زید کی مفعولیت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ مثال مذکور میں اُشیر اور انبہ فعل اور زید مفعول بہ ہے جس سے قائمًا

حال واقع ہے گویا اصل عبارت یوں ہوگی" اُشیر الی زیدٍ واُنبہ علی زیدٌ قائمًا "پس زید بواسطہ حرف جر کے مفعول بہ معنوی ہے اور قائمًا حال ہے۔

(۴) چوتھی بات: وعاملها اما الفعل الخ:

حال میں عامل کبھی فعل ہوتا ہے اور کبھی معناً فعل ہوتا ہے۔ اور کبھی صفت ہوتی ہے، پھر فعل خواہ فعل ہو یا شبہ فعل ہو۔

(۱) فعل خواہ حقیقۃً ملفوظ ہو۔ جیسے " جاء نی زیدٌ راکبًا" میں جاء عامل ہے اور وہ حقیقۃً ملفوظ ہے یا حکمًا ملفوظ ہے۔ جیسے "زید فی الدار قائمًا" اس مثال میں فی الدار ثبت فعل کے متعلق ہے جو مقدر ہے اور مقدر مثل ملفوظ کے ہے تو اس لئے وہ حکمًا ملفوظ سمجھا جائے گا۔ اور کبھی شبہ فعل ہوتا ہے، شبہ فعل کا مطلب یہ ہے کہ جو فعل جیسا عمل کرے وہ فعل کا مادہ اور اس کا مادہ ایک ہو۔ جیسے "ضاربٌ" کہ یہ ضرب فعل جیسا عمل کرتا ہے اور دونوں کا مادہ ضرب ہے۔

شبہ فعل کے عامل ہونے کی مثال۔ "زید ذاهب راکبًا" ہے، اس مثال میں ذاهبٌ عامل ہے جو حقیقۃً ملفوظ ہے اور " زید فی الدار" میں اگر عامل اسم فاعل یعنی ثابتٌ نکالا جائے تو اس میں عامل شبہ فعل ہوگا جو حکمًا ملفوظ ہے کیونکہ یہ مقدر ہے۔ اور مقدر مثل ملفوظ کے ہوتا ہے۔

(۲) اور کبھی حال کا عامل معناً فعل ہوتا ہے یعنی نہ تو فعل صراحۃً موجود ہوتا اور نہ مقدر ہوتا ہے بلکہ مضمون کلام سے فعل کے معنی سمجھے جائیں۔ جیسے "هذا زیدٌ قائمًا" سے انبہ واشیر سمجھا جاتا ہے یا "زیدٌ قائمًا " سے "اُدْعُوا" یا" اُطْلب" سمجھا جاتا ہے وغیر ذلک۔

(۳) اور کبھی حال کا عامل صفت ہوتی ہے۔ جیسے " زید مضروب قائماً"

پانچویں بات: حال کی شرط کیا ہے؟

وشرطها ان تكون نكرة وصاحبها معرفة غالبًا الخ

حال کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو اور اس کا ذوالحال معرفہ ہو کیونکہ حال حقیقت

میں خبر ومحکوم بہ ہے اور محکوم بہ میں اصل نکرہ ہوتا ہے اور ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے کیونکہ ذوالحال حقیقت میں محکوم علیہ ومبتداء ہے اور محکوم علیہ میں اصل معرفہ ہوتا ہے لیکن غالبًا لفظ سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے۔

غالبًا لفظ کا مطلب یہ ہے کہ ذوالحال میں پانچ جگہوں کے علاوہ ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے اور پانچ جگہوں میں ذوالحال کا معرفہ ہونا ضروری نہیں اس واسطے سے غالبًا کہا۔

پانچ صورتوں میں ذوالحال کا معرفہ ہونا ضروری نہیں ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ذوالحال نکرہ موصوفہ ہو۔ جیسے " جاء نی رجلٌ من بنی تمیم فارسًا" اس مثال میں رجل ذوالحال نکرہ ہے اور من بنی تمیم اس کی صفت ہے۔

(۲) ذوالحال نکرہ ہو اور اس میں ایسی تخصیص ہوجائے جس سے معرفہ ہونے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ جیسے" فِیْھَا یَفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ اَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا " اس مثال میں "اَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا" حال ہے اور کُلُّ اَمْرٍ ذوالحال ہے۔ وقولہ علیہ السلام:" وصلی رجالٌ قیامًا"

(۳) ذوالحال نکرہ ہو اور استفہام کے تحت واقع ہو۔ جیسے " ھَلْ اَتَاکَ رجلٌ راکِبًا" اس مثال میں رجلٌ ذوالحال نکرہ ہے اور استفہام کے تحت واقع ہے۔

(۴) ذوالحال نکرہ منفیہ ہو اور حال الا کے بعد نفی کے معنی ختم کرنے کے لئے ہو جیسے۔" ماجاء نی رجل الا راکبًا" اس مثال میں رجل نکرہ ہے اور نفی کے بعد اور راکباً الا کے بعد نفی کو ختم کرنے کے لئے آیا ہے۔

(۵) حال ذوالحال پر مقدم ہوجائے۔ جیسے " ما جاء نی راکبًا رجلٌ" اس مثال میں راکبًا حال ہے جو اپنے ذوالحال رجلٌ پر مقدم ہے۔

وارسلھا العراک ومررت بہ وحدہ ونحوہ الخ:

یہ عبارت اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ مصنفؒ نے حال کے لئے یہ شرط بیان کی ہے کہ حال کا نکرہ ہونا ضروری ہے تو ان دونوں مثالوں میں حال معرفہ ہے۔ پہلی

مثال میں " العراک" حال ہےاوردوسری مثال میں " وحدہ" حال ہےاور یہ دونوں معرفہ ہیں کیونکہ ایک میں الف لام تعریف کا ہے۔اوردوسری میں "وحدہ" میں "ہ" ضمیر کی طرف اضافت کی وجہ سے معرفہ ہوگیا۔نحوہ سے مراد ان جیسی مثالیں ہیں۔جن میں حال معرفہ ہے۔جیسے " فعلیۃ جھدک"

مُتَاَوَّلٌ الخ:

سے جواب ہے یہ ہے کہ یہاں تاویل کی گئی ہےاور تاویل کی دوصورتیں ہیں۔

(۱) "العراک" حال نہیں ہے بلکہ مفعول مطلق ہےاوران سے پہلے فعل محذوف ہے۔مثلاً " العراک" سے پہلے "تعترک" اور "وحدہ" سے پہلے "ینفرد" ہےاور "فعلۃ جھدک" پہلے "تجتھد" محذوف ہے۔

(۲) یہ مثالیں حال واقع ہیں لیکن نکرہ کی تاویل میں ہیں چنانچہ "العراک معترکۃ" کے معنی میں ہےاور" وحدہ منفرداً" کے معنی میں ہےاور "جھدک" مجتھد کے معنی میں ہے۔

پس یہ صورۃً تو معرفہ ہے لیکن حقیقۃً نکرہ ہے۔

(۶) چھٹی بات: حال ذوالحال پر کب مقدم ہوگا؟

فان کان صاحبھا نکرہ وجب تقدیمھا الخ:

حال کوذوالحال پرمقدم کرنے کی دواوردوجگہوں میں مقدم نہیں ہے۔

(۱) ذوالحال نکرہ محضہ ہوتو اس پرحال کومقدم کرکے ذوالحال میں تخصیص حاصل کریں گے۔جیسے قولہ علیہ السلام " من عادی لی ولیاً فقد اذنتہ للحرب"

(۲) ذوالحال منصوب ہوتو حال کومقدم نہ کریں گے اس صورت میں ذوالحال اورحال نہ ہوگا بلکہ موصوف اورصفت ہوگا۔جیسے" رائیتُ رَجُلاً رَاکِبًا" اس مثال میں دو(۲) احتمال ہیں۔(۱) یہ بھی احتمال ہے کہ رجلاً ذوالحال ہواور "رَاکِبًا" حال ہواور(۲) یہ بھی احتمال ہے کہ "رجلاً" موصوف اور "راکبًا" صفت ہو۔

تو التباس سے بچنے کے لئے ذوالحال کونکرہ اور منصوب قرار دیا یہ تقدیم اس وقت ضروری ہے کہ وہاں تخصیص کی صرف یہی ایک صورت ہوسکتی ہے، حال کو مقدم کیا اس کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو اور اگر اس کے علاوہ تخصیص کی کوئی اور صورت ہو کیونکہ تو پھر ذوالحال پر حال کی تقدیم واجب نہیں۔ جیسے "رایتُ رجلاً من بنی تمیم راکبًا" میں "رجلاً" ذوالحال ہے۔ نکرہ ہے، اور بنی تمیم اس کی صفت ہے، جس کی وجہ سے تخصیص حاصل ہوگئی، اس لئے راکبا کو مقدم کرنا رجلا پر واجب نہیں ہے۔

(۳) حال محصورہ ہو ذوالحال پر جیسے "ماجاء نی ناجحاً الا زیدٌ"۔

(۴) اگر حال نکرہ اور معرفہ کے درمیان مشترک ہو یعنی ایک ذوالحال نکرہ ہو اور دوسرا معرفہ ہو تو اس صورت میں بھی حال کو مقدم کرنا واجب نہیں۔ جیسے "جاء نی رجل وزید راکبین" اس مثال میں نکرہ معرفہ کے ساتھ مقارن ہونے کی وجہ سے نکرہ محضہ نہیں رہا اس لئے حال کی تقدیم واجب نہ ہوئی۔

<u>(۷) ساتویں بات: حال کی تقدیم عامل معنوی پر:</u>

ولا لتقدم الحال علی العامل المعنوی الخ

حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا اس لئے کہ عامل معنوی کا عمل ضعیف ہے وہ اپنے ضعف کی وجہ سے ماقبل میں عمل نہیں کرسکتا۔ ہاں عامل اگر ظرف ہو تو اس پر حال کو مقدم کرسکتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے سیبویہؒ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی حال کا مقدم کرنا جائز نہیں کیونکہ ظرف کا عامل مضمون کلام سے سمجھا جاتا ہے اس لئے یہ بھی عامل معنوی کی طرح ضعیف ہے۔

اخفشؒ کہتے ہیں کہ حال اگر مبتداء سے مؤخر ہے تو یہ تقدیم جائز ہے اور اگر حال مبتداء پر مقدم ہے تو پھر یہ تقدیم جائز نہیں ہے۔

لیکن مصنفؒ کے مسلک پر حال اس پر مقدم ہوسکتا ہے۔ کیونکہ عامل ظرف ہے۔ جیسے "زیدٌ قائماً فی الدار"

شارحؒ کے نزدیک مصنفؒ کی اس عبارت میں ایک دوسرا احتمال یہ ہے کہ حال ظرف کے مشابہ ہے کیونکہ حال میں بھی ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ "جاء نی زیدٌ راکبًا، جاء نی زید وقت الرکوب" کے معنی میں ہے۔

لیکن اس مشابہت سے یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ جوحکم حال کا ہے وہ عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا۔ یہی حکم ظرف کا بھی ہوگا کہ وہ بھی عامل معنوی پر مقدم نہ ہوگا۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ باوجود مشابہت کے ظرف حال کے ساتھ اس حکم میں شریک نہیں ہے کیونکہ ظرف میں وسعت ہے اس لئے اس کو عامل معنوی پر مقدم کیا جاسکتا ہے۔

ولاعلی المجرور علی الاصح الخ:

جیسا کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا تھا اسی طرح حال اپنے ذوالحال پر بھی مقدم نہیں ہوسکتا ہے خواہ ذوالحال اضافت کی وجہ سے مجرور ہو یا حرف جار داخل ہونے کی وجہ سے مجرور ہو۔

ذوالحال اگر اضافت کی وجہ سے مجرور ہو تو تمام نحاۃ کا اتفاق ہے کہ ایسے ذوالحال پر حال مقدم نہ ہوگا کیونکہ حال اپنے وجود میں ذوالحال کے تابع ہے اگر ذوالحال نہ ہو تو حال کا وجود ہی نہ ہوگا اور ذوالحال چونکہ مضاف الیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مضاف الیہ اپنے مضاف پر مقدم نہیں ہوسکتا تو پھر مضاف الیہ کا تابع جو اس وقت حال ہے وہ مضاف پر کس طرح مقدم ہوجائے گا۔ جیسے " اعجبنی وقوفاً زیدٍ خطیبًا"

اوراگر ذوالحال حرف جر اصلی کی وجہ سے مجرور ہو۔ جیسے " مررت بھندٍ قائمہ" تو اس میں اختلاف ہے مصنفؒ اور اکثر نحاۃ ایک طرف ہیں، بعض نحاۃ دوسری طرف ہیں۔

(۱) مصنفؒ اور اکثر نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ ذوالحال اگرچہ حرف جر کی وجہ سے مجرور ہے پھر بھی حال مقدم نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ذوالحال اس وقت حرف جر کی وجہ سے مجرور ہے وہ اپنے جار پر مقدم نہیں ہوسکتا ہے تو اس کا تابع یعنی حال وہ حرف جار

پر کسی طرح مقدم ہوگا۔

(۳) بعض نحاۃ یعنی ابن مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ ذوالحال اگر حرف جر کی وجہ سے مجرور ہوتو اس پر حال مقدم ہوسکتا ہے۔ دلیل قرآن پاک کی آیت۔ ''وما ارسلناک الا کافة لِلنّاسِ'' اس میں ناس لام جارہ کی وجہ سے مجرور ہے اور کافةً اس سے حال ہے جو مقدم ہے۔

جمہور کی طرف سے دوگروہ نے جواب دیا ہے۔ بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ ''کافةً'' ''للناسِ'' سے حال نہیں ہے۔ بلکہ ارسلناک میں کاف ضمیر سے حال ہے اور کافةً میں تاء تانیث نہیں بلکہ تاء مبالغہ کے لئے ہے۔

(۲) اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ کافةً حال ہی نہیں بلکہ یہ مفعول مطلق کی صفت ہے اصل عبارت '' وما ارسلناک الا رسالة کافة'' ہے۔

و کل مادل علی هیئاة الخ:

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جس اسم سے بھی فاعل یا مفعول بہ کی حالت معلوم ہوجائے وہ اسم حال واقع ہوسکتا ہے۔ اب وہ اسم عام ہے خواہ جامد ہو یا مشتق ہو اس میں اختلاف ہے، مصنفؒ اور جمہور نحاۃ کے درمیان میں۔

مصنفؒ کے نزدیک حال کے لئے مشتق ہونا ضروری نہیں ہے اس لئے اگر جامد حال واقع ہو اور وہ ہیئت پر دلالت کرے تو اس کو مشتق کی تاویل میں کرنے کی ضرورت نہیں۔

جمہور نحاۃ کے نزدیک حال کے لئے مشتق ہونا ضروری ہے اگر جامد حال واقع ہوجائے تو مشتق کی تاویل میں کیا جائے گا لیکن یہ دونوں صفت پر دلالت کرتے ہیں اس لئے حال واقع ہونا صحیح ہے۔

یہ مثال مصنفؒ کے بیان کردہ قاعدے کی ہے۔

والعامل فی رطبًا اطیب باتفاق النحاة الخ:

مثال مذکور میں سب کے نزدیک رُطبًا کا عامل اطیب ہے اور محققین کے نزدیک

بسرًا میں بھی عامل اطیب ہے۔

بعض نحاۃ فرماتے ہیں کہ بسرًا میں عامل اطیب نہیں ہے بلکہ ھذا سے جو اُشیر کے معنی سمجھے جارہے ہیں وہی عامل ہے۔

(۸) آٹھویں بات حال کی اقسام:

حال کی دو قسمیں ہیں۔(۱) مفرد (۲) جملہ پھر حال مفردہ کی سات قسمیں ہیں۔(۱) محققہ (۲) مقدرہ (۳) مترادفہ (۴) متداخلہ (۵) لازمہ (۶) منتقلہ (۷) مؤکدہ

(۱) محققہ وہ ہے کہ حال کا معنی ثابت ہو ذوالحال کے لئے بغیر فرض کرنے والے کے فرض سے اور بغیر اعتبار کرنے والے کے اعتبار سے۔ جیسے "جاء نی زیدٌ راکبًا"

(۲) حال مقدرہ اس کے برعکس ہے۔ جیسے "فادخلوھا خالدین" "اِنَّ الاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا"

(۳) حال مترادفہ وہ ہے کہ حال زیادہ ہوں اور ذوالحال ایک ہو۔ جیسے "سر راشدً مھدیًا"

(۴) حال متداخلہ وہ ہے کہ حال ثانی حال واقع ہو حال اول کے ضمیر سے۔ جیسے مثال مذکورہ میں۔

(۵) حال لازمہ وہ ہے کہ غالبًا حال کا معنی جدا نہیں ہوتا ہے ذوالحال سے۔ قولہ تعالیٰ " شھدالله انه لااله الا ھو والملائکة و اولو العلم قائمًا بالقسط "

(۶) حال منتقلہ وہ ہے کہ حال جدا ہوسکتا ہے اپنے ذوالحال سے غالبًا۔ جیسے "جئتُ راکبًا"

(۷) حال مؤکدہ وہ ہے کہ جو دلالت کرتا ہو اس پر جو مستفاد ہو کلام سابق سے۔ جیسے " زیدٌ ابوک عطوفاً" حال مؤکد ہے جملہ اسمیہ سے حال مؤکد ہے عامل سے۔ جیسے قولہ تعالیٰ " وَاَرْسَلْنَاکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلاً" حال مؤکد ہو ذوالحال سے۔ جیسے قولہ تعالیٰ " وَلَوْشَاءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ فِی الْاَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعًا"

حال کی دوسری قسم جملہ ہے

حال کبھی کبھی جملہ خبریہ ہوتا ہے لفظ قد سے اشارہ کیا کہ اکثر تو حال مفرد ہوتا ہے کیونکہ حال حقیقت میں خبر ہے اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہو لیکن کبھی جملہ خبریہ بھی ہوتا ہے خبر یہ اس لئے کہا کہ جملہ انشائیہ حال واقع نہیں ہوسکتا کیونکہ حال بمنزلہ خبر اور محکوم بہ ہے۔ اور جملہ انشائیہ محکوم بہ نہیں ہوسکتا بغیر تاویل کے۔

جملہ خبریہ جو حال واقع ہوتا ہے اس کی پانچ قسمیں ہیں۔

(١) جملہ اسمیہ (٢) مضارع مثبت (٣) مضارع منفی (۴) ماضی مثبت (۵) ماضی منفی

پانچ قسم کے جملے حال واقع ہوتے ہیں ان میں سے جملہ اسمیہ حال واقع ہو تو اس میں رابطہ واؤ اور ضمیر دونوں ہیں کیونکہ جملہ اسمیہ تمام جملوں میں سے قوی ہے اس لئے رابطہ بھی قوی ہونا چاہئے۔ جب دونوں رابطہ جمع ہو جائیں گے تو ربط قوی ہو جائے گا۔ جیسے "جئت وانا راکبٌ وانت راکب جاء نی زید وھو راکب"۔

یا صرف واؤ سے ربط حاصل ہوسکتا ہے کیونکہ واؤ جملہ اسمیہ حالیہ کے شروع میں آئے گا اور واؤ کی اصل وضع یہ ہے کہ ماقبل واؤ مابعد واؤ دونوں کو جمع کر دے اس لئے واؤ کے شروع میں آنے کی وجہ سے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے بعد آنے والا جملہ ماقبل سے مرتب ہے۔ جیسے "کنتُ نبیًا وآدم بین الماء والطین "اس میں آدم مبتدا ہے اور" بین الماء والطین" خبر ہے مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ ہے اور تنہا واؤ رابطہ کے لئے ہے۔

یا صرف ضمیر سے ربط حاصل ہوسکتا ہے لیکن یہ ضعیف ہے اس لئے کہ ضمیر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ شروع میں ہو جس کی وجہ سے شروع ہوتے ہی ربط معلوم ہو جائے۔

اگر فعل مضارع مثبت حال واقع ہو تو اس وقت اس میں ربط کے لئے صرف ضمیر کافی ہے اس لئے کہ مضارع مثبت کو اسم فاعل کے ساتھ مشابہت لفظی اور معنوی دونوں طرح سے ہے اور اسم فاعل میں ربط کے لئے ضمیر کافی ہے اس لئے فعل مضارع میں بھی ضمیر کافی ہوگی۔

مضارع مثبت کو اسم فاعل کے ساتھ لفظی مشابہت تعداد حروف اور حرکات وسکنات میں برابر ہے اور معنوی مشابہت یہ ہے کہ مضارع کی جگہ اسم فاعل واقع ہو سکتا ہے۔ جیسے " جاء نی زید یسرع" میں یسرع حال ہے۔اس کی جگہ "جاء نی زید سارعًا" کہہ سکتے ہیں۔

پانچ جملے جب حال واقع ہوتے ہیں ان میں سے جملہ اسمیہ اور فعل مضارع مثبت کا بیان ختم ہوا ان میں ربط کی کیا شکل تھی اس کی تفصیل معلوم ہو چکی ہے باقی تین جملوں کا بیان اور ان میں ربط کی صورتوں کا بیان یہ ہے کہ اگر حال فعل مضارع منفی واقع ہو یا ماضی مثبت ہو یا ماضی منفی ہو تو ان میں (۱) واؤ اور ضمیر (۲) یا صرف واؤ (۳) یا صرف ضمیر لائیں جائیں ربط کے لئے تو یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ اور ان میں کوئی ضعیف نہیں کیونکہ جملہ اسمیہ کے حال واقع ہونے کی صورت میں ربط کے لئے ضمیر پر اکتفاء کرنا اس وجہ سے ضعیف ہے کہ جملہ اسمیہ کا استقلال قوی ہے اس کے لئے ربط بھی قوی ہونا چاہئے اور ضمیر میں اتنی قوت نہیں ہے۔

ماضی مثبت جب حال واقع ہو تو اس میں قد کا لانا ضروری ہے خواہ قد لفظوں میں ہو یا مقدر ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ماضی گذشتہ زمانے پر دلالت کرتا ہے اور حال موجودہ زمانے پر دلالت کرتا ہے اور ان دونوں میں (دوری) ہے اس دوری کو قد کے ذریعہ دور کیا جاتا ہے کیونکہ قد ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے۔

ماضی مثبت میں قد کے لانے میں اختلاف ہے۔ بصریین، کوفیین، وسیبویہؒ اور مبردؒ کے درمیان میں۔

(۱) بصریین کے نزدیک قد کا لانا لفظاً اور تقدیراً ضروری ہے۔

(۲) کوفیین کے نزدیک قد کا لانا نہ لفظاً ضروری ہے نہ کہ تقدیرًا۔

(۳) سیبویہؒ اور مبردؒ کے نزدیک قد کا لفظوں میں ہونا ضروری ہے بلکہ اس کا حذف جائز نہیں۔

قد لفظوں میں ہو۔جیسے " جاء نی زیدٌ وقد خرج غلامه "اور قد لفظوں میں نہ ہو۔جیسے " جاءُ وْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ"

(۹) نویں بات: حال کے عامل کو حذف کرنا ہے:

ویجوز حذف العامل کقولک للمُسافر الخ

عامل سے مراد عامل لفظی ہے عامل معنوی کا حذف جائز نہیں ہے۔

قرینہ حالیہ یا مقالیہ کی وجہ سے حال کے عامل کا حذف کرنا جائز ہے۔ جیسے مثلاً کوئی ارادہ کرے اس کو **راشداً مهدیا** کہا جائے اس میں **راشداً** حال ہے اور اس کا عامل سِیر قرینہ حالیہ کی وجہ سے محذوف ہے۔ مہدیا راشداً کی صفت ہے۔ قرینہ مقالیہ کی مثال۔ جیسے کوئی شخص سوال کرے **"کیف جئت"** تو کیسے آیا تو اس کے جواب میں **"راکبًا"** کہا جائے گا **"ای جئتُ راکبًا"** تو اب **"راکبًا"** سے پہلے جئتُ فعل محذوف ہے اور اس کا قرینہ سائل کا سوال ہے۔ دوسری مثال۔ جیسے **"فان خفتم فرجالاً او رکباناً ای فصلوا رجالاً او رکباناً"**

حال جب جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہو تو اس میں حال کے عامل کا حذف واجب نہیں کیونکہ عامل کے حذف کے بعد اس کا کوئی قائم مقام نہیں ہے۔ اور جو حال جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہے تو اس کے عامل کا حذف واجب ہے اس وجہ سے شارحؒ نے بعض الاحوال کا اضافہ کیا۔ جیسے **"زید ابوک عطوفًا"** اس مثال میں عطوفا حال مؤکدہ ہے اور اس کا عامل احق محذوف ہے۔ حال کی دلالت زیادتی یا نقصان پر ہو تو حذف عامل واجب ہے۔

جیسے **"تصدق علی المحتاج بدرهم فصاعداً ای فذهب بالعدد صاعداً"**

حال مؤکدہ کا عامل کے حذف وجوبی کے لئے شرط ہے کہ وہ جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کر رہا ہو تو اس وقت عامل حذف ہوگا اگر جملہ کے مضمون کی تاکید نہ کرتا ہو بلکہ اس کے بعض اجزاء کی تاکید کر رہا ہو یا جملہ فعلیہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں عامل کا حذف واجب نہیں۔ جیسے **"اِنَّا اَرْسَلْنَاکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلاً"** اس مثال میں **رَسُوْلاً** حال ہے لیکن پورے جملہ کے مضمون کی تاکید نہیں کر رہا بلکہ اس کے جزء یعنی صرف رسالت کی تاکید ہو رہی ہے اس لئے فعل حذف نہیں کیا گیا۔ جملہ فعلیہ کی مثال۔ جیسے **'شهد الله انه لا**

الہ الا ھو والملائکۃ واولو العلم قائمًا بالقسط " اس میں قائمًا حال ہے، شھد کے فاعل لفظ اللہ سے جملہ فعلیہ اسمیہ نہیں ہے اس لئے فعل حذف نہیں کیا گیا۔

(۷) التمیز ما یرفع الابھام الخ:

منصوبات کی ساتویں قسم تمیز ہے۔ تمیز میں آٹھ چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) تمیز کا لغوی معنی (۲) تمیز کا اصطلاحی معنی (۳) تمیز کی قسمیں (۴) تمیز کا طریقہ (۵) تمیز کی پہلی قسم کی قسمیں (۶) تمیز اگر اسم ہو تو کیا ہوگا؟ (۷) تمیز اگر اسم نہ ہو تو پھر کیا ہوگا۔ (۸) تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہو سکتی ہے۔

(۱) پہلی بات: تمیز کا لغوی معنی:

تمیز لغت میں مصدر مبنی للفاعل ہے یعنی جدا کرنا ہے جنس سابق کے ابہام کے لئے ۔ جس کو جدا کیا جائے ممیَّز (اسم مفعول اور جدا کرنے والے کو ممیِّز (اسم فاعل) کہتے ہیں۔

(۲) دوسری بات: تمیز کا اصطلاحی معنی:

تمیز وہ اسم ہے جو ذات مذکورہ یا ذات مقدرہ سے اس ابہام کو دور کرے۔ جو اس کے معنی موصولہ میں راسخ ہو چکا ہو۔

(۳) تیسری بات: تمیز کی قسمیں:

تمیز کی دو (۲) قسمیں ہیں۔ (۱) ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرے۔ (۲) ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرے۔

(۴) چوتھی بات: تمیز کا طریقہ:

تمیز کی دو طریقے ہیں۔ (۱) مفرد (۲) تثنیہ وجمع

تمیز مفرد مقدار جنس ہوگی یا اسم جنس، جنس سے انواع مقصود مراد ہو یا نہ ہو جنس سے اگر انواع مقصود نہ ہو۔ جیسے " الماء التمر " کہ سمندر میں جو پانی ہے اس کو بھی ماء کہتے ہیں اور ایک قطرہ پانی کو بھی ماء کہتے ہیں۔

اسی طرح کھجور کا ایک ڈھیر ہو یا ایک کھجور ہو دونوں پر تمر کا اطلاق ہوتا ہے تو جب جنس کا اطلاق کثیر و قلیل سب پر ہوتا ہے تو تمیز کے جنس ہونے کی صورت میں مفرد ہی سے کام چل جائے گا تو پھر تمیز کو تثنیہ و جمع لانے کی ضرورت نہیں۔

ہاں اگر تمیز رجل یا فرس واقع ہو تو ان کو ان کے اسم تام کے مطابق لایا جائے گا اسم تام مفرد ہو تو ان کو مفرد اور اگر اسم تام تثنیہ و جمع ہو تو ان کو تثنیہ و جمع لایا جائے گا۔

(۲) جنس سے اگر انواع کا قصد ہے تو اگر دو نوع مراد ہوں تو تمیز کو تثنیہ لایا جائے گا اگر کئی انواع مراد ہوں تو تمیز کو جمع لایا جائے گا۔ جیسے "عندی رطلا زیتین" میرے پاس دو رطل تیل ہے دو قسم کا عندی ارطال زیوتا میرے پاس کئی رطل تیل ہے کئی قسم کا۔

(۳) تمیز اگر اسم جنس ہو تو تمیز کو اسم تام کے مطابق تثنیہ اور جمع لایا جائے گا ہر صورت میں تمیز کو مفرد نہ لایا جائے گا۔ جیسے "عندی عدل ثوبًا وثوبین واثوابًا" عدل کے معنی ہیں گٹھلی کے جس میں کپڑے کے تھان باندھے جاتے ہیں اس وقت کی اصطلاح میں اس کو گانٹھ کہتے ہیں اگر ایک قسم کے کپڑے کی گانٹھ ہے تو ثوبًا کہیں گے دو قسم کے کپڑوں کی ہے تو ثوبین کئی قسم کے کپڑوں کی ہے تو اثواب کہیں گے۔

ثم ان کان بتنوین او بنون التثنیه جازت الاضافة والافلا الخ:

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کہ اگر مفرد مقدار تام ہو تو تنوین کے ساتھ یا نون تثنیہ کے ساتھ تو اس وقت مفرد مقدار کی اضافت تمیز کی طرف جائز ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہوگی کیونکہ تمیز اپنے ممیز کو بیان کر رہی ہے جس طرح خاتم فضہ میں فضہ خاتم کا بیان ہے اور یہ اضافت بکثرت شائع ہے اس لئے اس میں تخفیف کے ساتھ مقصود حاصل ہو رہا ہے یعنی ابہام بھی دور ہو رہا ہے اور تنوین یا نون تثنیہ کے ساقط ہو جانے کی وجہ سے تخفیف بھی حاصل ہو رہی ہے۔ جیسے " رطل زیت ومنوا سمن"

اور اگر مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تام نہ ہو بلکہ نون جمع یا اضافت کے ساتھ تام ہو تو پھر اس کی اضافت تمیز کی طرف جائز نہیں کیونکہ جب مفرد مقدار اضافت کی

وجہ سے تام ہوئی ہے تو ایک مرتبہ تو وہ مضاف ہو چکا ہے اب اگر تمیز کی طرف بھی اضافت کرتے ہیں تو مضاف کا دوبارہ مضاف ہونا لازم آئے گا۔

اور اگر مفرد مقدار نون جمع کے ساتھ تام ہوا ہے تو اس کی اضافت تمیز کی طرف اس وجہ سے جائز نہیں ہے کہ یہ اسم جو نون جمع کے ساتھ تام ہوا ہے کبھی کبھی غیر تمیز سے التباس لازم آتا ہے۔

(۵) پانچویں بات: تمیز کی قسم اول کی اقسام کیا ہیں؟

پہلی قسم یعنی ذات مذکورہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرے۔ (۲) مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرے، پہلی قسم جو ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے وہ ذات مذکورہ اکثر مفرد مقدار ہوتی ہے جس سے ابہام دور کیا جاتا ہے وہ ہیں پانچ کمافی النظم۔ "پنج اند جان من تا مقادیر را شناس۔ کیل است و وزن و عدد و ذراع است و ہم قیاس۔

(۱) عدد کی مثال: " عندی عشرون درهمًا عشرون" عدد اس میں ابہام تھا وہ معلوم نہ تھا کہ اس کا مصداق کیا چیز ہے بیس آدمی مراد ہیں یا پتھر یا انڈے تو درهمًا نے اس ابہام کو دور کیا کہ مصداق درهمًا ہے۔

(۲) وزن کی دو مثالیں ہیں۔ (۱) "رطل زيتًا" اس میں ابہام تھا یہ معلوم نہ تھا کہ رطل کیا چیز ہے تو زیتا نے ابہام کو دور کیا کہ مصداق زیتًا ہے۔ (۲) "منوان سمنًا" میں ابہام تھا یہ معلوم نہ تھا کہ دو (۲) سیر کیا چیز ہے تو سمنًا نے ابہام کو دور کیا کہ مصداق سمنًا ہے۔

(۳) کیل کی مثال " قفيزان بُرًّا " قفيزان کیل ہے اس میں ابہام تھا یہ معلوم نہ تھا کہ دو بوری کیا چیز ہے تو بُرًّا نے ابہام کو دور کیا کہ مصداق بُرًّا ہے۔

(۴) ذراع کی مثال " ذراع ثوبًا" میں ابہام تھا یہ معلوم نہ تھا کہ گز کیا چیز ہے تو ثوبًا نے ابہام کو دور کیا کہ مصداق ثوبًا ہے۔

(۵) مقیاس کی مثال " على التَّمرةِ مِثْلُهَا زُبَدًا" اس میں مثلها کی ضمیر تمرة

کی طرف راجع ہے اس میں ابہام تھا یہ معلوم نہیں ہے کہ کھجور پر کھجور کی مثل کیا چیز ہے تو زُبَدًا نے ابہام کودور کیا کہ وہ مکھن ہے۔

عرب کی عادت ہے کہ کھجور کی گٹھلی نکال کراس کومکھن کے ساتھ ملا کر کھاتے ہیں۔

عبارت میں جولفظ مقادیر ذکر ہے اس سے مراد مقدرات ہیں یعنی مقادیر کا مصداق مراد ہیں خود یہ مقادیر مراد نہیں مثلاً عشرون سے عدد مراد نہیں بلکہ معدود مراد ہے۔اور وہ مبہم ہے۔وغیرہ

تمیز کی پہلی قسم جوذات مذکورہ سے ابہام کودور کرتی ہے وہ کبھی مفرد مقدار سے جس کا بیان تفصیل سے ہو چکا ہے۔

اب ذات مذکورہ کی دوسری قسم مفرد غیر مقدار کا بیان ہے، غیر مقدار کا مطلب یہ ہے کہ وہ عدد، وزن، کیل، ذراع، مقیاس نہ ہو۔ جیسے "خاتم حدیدًا" (تنوین کے ساتھ) یہ اسم تام مفرد غیر مقدار ہے لیکن جنس کے اعتبار سے مبہم ہے یہ معلوم نہ تھا کہ انگوٹھی کس جنس کی ہے سونے کی ہے یا چاندی کی یالوہے کی تو حدیدًا نے اس ابہام کودور کردیا کہ انگوٹھی لوہے کی ہے۔

تمیز پر جر زیادہ مستعمل ہے کیونکہ مفرد غیر مقدار پر مضاف ہوگا اور تمیز مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگی کیونکہ تمیز سے مقصود ابہام کودور کرنا ہے اور وہ جر کی صورت میں تخفیف کے ساتھ حاصل ہوجاتا ہے کیونکہ مفرد غیر مقدار مضاف ہوگا تو تنوین کے گرنے کی وجہ سے تخفیف حاصل ہوجائیگی۔

تمیز کی دوسری قسم ذات مقدرہ ہے کیونکہ ذات مقدرہ سے ابہام کودور کرنا وہ ہے جو نسبت سے ابہام کودور کرتی ہے

(۱) وہ نسبت جملہ میں پائی جاتی ہو۔ جیسے "طاب زیدٌ نفسًا" طاب فعل کی جو نسبت ہے زیدٌ فاعل کی طرف اس نسبت میں ابہام تھا معلوم نہیں تھا کہ زید کس اعتبار سے اچھا ہے خود اپنے نفس اور ذات کے اعتبار سے اچھا ہے یا صفت علم کے اعتبار سے اچھا ہے یا باپ کے اعتبار سے اچھا ہے تو نفسًا سے ابہام کودور کردیا کیونکہ زید اپنے نفس

کے اعتبار سے اچھا ہے۔

(۲) یا وہ نسبت مشابہ جملہ میں پائی جاتی ہو۔ مشابہ جملہ سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل، مصدر ہے صرف ایک مثال ذکر کریں گے باقی مثالیں اس پر منطبق کرلیں۔

اسم فاعل کی مثال۔ جیسے " الحوض متلئ ماءً " اس مثال میں (ممتلی) میں جو ضمیر ہے وہ حوض کی طرف راجع ہے اس میں ابہام ہے یہ معلوم نہ تھا کہ حوض کس چیز سے بھرا ہے تو ماءً تمیز لا کر اس ابہام کو دور کردیا کہ حوض پانی سے بھرا ہے۔

(۳) یا وہ نسبت اضافت میں پائی جاتی ہو اس میں بھی ماقبل کی طرح پانچ مثالیں ہیں۔ " یعجبنی طیبه نفسًا وابًا وابوة ودادًا وعلمًا" مصنفؒ مثال میں التمیزات ولاخفاء فی اتیانه مطلب یہ ہے کہ نفس کا تمیز واقع ہونا کثرت سے ہوتا ہے اور وہ اس میں مشہور ہے اس لئے اس کو مثال میں ذکر نہیں کیا وزاد علی المذکور قوله ولله درة فارسًا یہ مثال نسبت جملہ اور مشابہ میں داخل نہیں کیا۔ دو وجہ سے (۱) تمیز جس طرح جامد ہوتی ہے اسی طرح مشتق سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

(۲) صاحب مفصل نے اس مثال کو تمیز کی قسم اول میں داخل کیا ہے جس میں مفرد مقدار سے ابہام کو دور کیا جاتا ہے اور مصنفؒ نے اس مثال کو تمیز کی قسم ثانی میں داخل کیا ہے جس میں مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کیا جاتا ہے۔

مصنفؒ نے صاحب مفصل کی مخالفت کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دُرَّهٗ میں (ہ) ضمیر کا مرجع یا معلوم ہوگا یا غیر معلوم اگر مرجع معلوم ہو تو تمیز ابہام کو دور کرتی ہے دُرّ کی نسبت سے تو یہ مثال قسم ثانی کی ہوگی۔

اگر ضمیر کا مرجع نامعلوم ہو تو پھر تمیز ابہام کر دور کرتی ہے نفس ضمیر سے تو پھر یہ مثال قسم اول کی ہوگی۔

صاحب مفصل نے نظر کی ضمیر کی ابہام کی طرف اس وجہ سے قسم اول کی مثال ہوگی اور

مصنفؒ نے نظر کی ضمیر کے معلوم ہونے کی طرف اس وجہ سے قسم ثانی کو مثال قرار دیا۔

صاحب مفصل نے فرمایا کہ جس طرح ربہ رجلاً میں ضمیر مبہم ہے یعنی اس کا مرجع معلوم نہیں اور رجلاً تمیز ہے جس سے ابہام دور ہوا ہے اسی طرح دورہ فارساً میں ضمیر مبہم ہے اور فارساً تمیز ہے جس سے ابہام دور کیا گیا ہے۔

اور ربہ رجلاً تمیز کی پہلی قسم میں داخل ہے کیونکہ اس میں ابہام ذات مقدرہ سے دور کیا گیا ہے نسبت سے نہیں دور کیا گیا اسی طرح درہ فارساً بھی تمیز کی پہلی قسم میں داخل ہوگی۔

(۶) چھٹی بات: تمیز اگر اسم ہو:

تمیز اگر اسم ہو یعنی ذات ہو وصف نہ ہو اور اسم بھی ایسا ہو کہ اس کو منصب عنہ پر حمل کرنا صحیح ہو تو وہ تمیز بھی تمیز کو منصب عنہ اور اس کے متعلق کے لئے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمیز اور تمیز کو منصب عنہ اور اس کے متعلق کے لئے کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں کے لئے ایک ساتھ ہوگی بلکہ مطلب یہ ہے کہ کبھی منصب عنہ کے لئے ہوگی اور کبھی اس کے متعلق کے لئے ہوگی۔ جیسے "طاب زیدٌ ابًا" میں اگر قرینہ ایسا ہو کہ جس سے معلوم ہو جائے کہ زید کسی شخص کا مثلاً عمر کا باپ ہے تو یہ تمیز منصب عنہ یعنی زید کے لئے ہوگی اور اگر قرینہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ زید کا کوئی شخص باپ ہے اس کے اعتبار سے طاب زیدٌ کہا جا رہا ہے تو اس صورت میں تمیز منصب عنہ کے متعلق کے لئے ہوگی۔

اگر تمیز منصب عنہ کے ساتھ نہ تو خاص ہے ورنہ اس پر تمیز کو حمل کیا جا سکتا ہے تو ایسی صورت میں تمیز صرف منصب عنہ کے متعلق کے لئے ہوگی منصب عنہ کے لئے نہ ہوگی۔ جیسے "طاب زیدٌ ابوۃ وداراً وعلمًا"

تو تمیز کو ان صورتوں میں مقصود کے مطابق لایا جائے گا ماقبل میں تین صورتیں گزر چکی ہیں ان تین صورتوں کو دو صورتوں کی تاویل میں کر دیں گے وہ اس طرح کہ (۱) تمیز منصب عنہ کے ساتھ خاص ہو۔ (۲) منصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو بلکہ منصب عنہ کے لئے ہو اور

اس کے متعلق کے لئے بھی ہو یہ دوصورتیں مل کر ایک صورت ہوئی اور دوسری صورت وہ ہے کہ جس کو الا فهو المتعلقه سے بیان ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ ان تین (۳) صورتوں کو دوصورتوں کی تاویل میں کرلیا گیا ہے جس کی وجہ سے هما ضمیر تثنیہ کی لائے اگر منصب عنہ واحد ہے اس لئے تمیز کو واحد لایا گیا یا منصب عنہ تثنیہ یا جمع ہے اس لئے تمیز کو تثنیہ یا جمع لایا گیا یا ایسے معنی کی رعایت ہو جس کا تعلق منصب عنہ کی ذات سے ہو۔

اول کی مثال" طاب زیدٌ ابًا، طاب الزیدان ابوین، طاب الذیدون ابًا"

تمیز اگر جنس ہو تو اس کو مفرد لایا جائے گا خواہ مقصود تثنیہ یا جمع ہو کیونکہ جنس کا اطلاق قلیل وکثیر پر ہوتا ہے تو اس سے مفرد ہونے کی صورت میں تثنیہ اور جمع پر دلالت ہو جائے گی۔ جیسے" طاب زیدٌ علمًا، طاب الزیدان علمًا، طاب الزیدون علمًا" اس میں منصب عنہ کی تینوں حالتوں میں تمیز کو مفرد لایا گیا ہے آنے والی عبارت ماقبل سے استثناء کر رہی ہیں کہ یونکہ تمیز جنس ہے لیکن انواع کا ارادہ کرلیا جائے یعنی بعض نوع کو بعض سے ممتاز کرنا مقصود ہو تو پھر تمیز کو مقصود کے مطابق لایا جائے گا۔ جیسے " طاب الزیدان علمین، طاب الزیدون عُلُومًا"

(۷) ساتویں بات: تمیز اگر اسم نہ ہو:

تمیز اگر اسم نہ ہو بلکہ صفت ہو خواہ صفت مشتقہ ہو۔ جیسے " لله دره فارسًا" یا مشتق کی تاویل میں ہو۔ جیسے "کفی زیدٌ رجلاً" اس میں رجلاً مشتق تو نہیں ہے لیکن مشتق کی تاویل میں سے ہے کیونکہ اس کے معنی کاملاً فی الرجولیۃ ہے اور کاملاً مشتق ہے۔ تقدیر عبارت" کفی زیدٌ کاملاً فی الرجولیة" ہے۔

بہر حال جب تمیز صفت مشتقہ ہو یا مشتق کی تاویل میں ہو تو تمیز منصب عنہ کے ساتھ خاص ہوگی اس کے متعلق کے لئے نہ ہوگی کیونکہ صفت کے لئے موصوف ضروری ہے اور منصب عنہ موجود ہے اس کا متعلق موجود نہیں اور موجود موصوف بننے کا زیادہ مستحق ہے اس لئے صرف منصب عنہ کو اس کا موصوف قرار دیا جائے گا۔ جیسے " طاب زیدٌ والدًا"

اس مثال میں والد کا مصداق زید ہے یعنی زید خود والد ہے زید کا والد مراد نہیں۔ تو تمیز افراد تثنیہ وجمع مذکر ومؤنث میں منصب عنہ کے مطابق ہوگی۔

تمیز جب صفت مشتقہ ہو یا مشتق کی تاویل میں ہو تو ایک احتمال اس میں تمیز کا ہے اور دوسرا احتمال حال کا واقع ہونا ہے کیونکہ حال کی صورت میں بھی معنی صحیح رہتے ہیں۔ جیسے "طاب زیدٌ فارسًا" اس میں تمیز اور حال دونوں کا احتمال ہے۔

آٹھویں بات: تمیز کا عامل اگر اسم تام ہو تو اپنے عامل پر کیوں مقدم نہیں ہوسکتا ہے

ولایتقدم التمیز علی عامله الخ

تمیز کا عامل اگر اسم تام ہو تو تمیز اپنے عامل پر مقدم نہ ہوگی کیونکہ اسم تام جامد ہوگا اور جامد اگرچہ فعل کے مشابہ ہے۔ لیکن وہ مشابہت کمزور ہے اس لئے جامد عامل ضعیف ہوگا وہ معمول مقدم پر عمل نہ کر سکے گا۔ "فلایقال عندی زیتاً رطل" اسی طرح تمیز کا عامل اگر فعل ہو تو اصح مذہب یہ ہے کہ تمیز فعل پر بھی مقدم نہیں ہوئی خواہ فعل صریح ہو یا غیر صریح یعنی شبہ فعل ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ تمیز معنی کے اعتبار سے فاعل ہوتی ہے اور فاعل فعل پر مقدم نہیں ہوسکتا اس لئے تمیز کا مقدم کرنا بھی صحیح نہیں۔

خلاف اللمازنیّ والمبردّ الخ

امام مازنیؒ اور مبردؒ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر تمیز کا عامل فعل صریح ہو یا غیر صریح ہو یعنی اسم فاعل ومفعول ہو تو تمیز ایسے عامل پر مقدم ہوسکتی ہے کیونکہ عامل قوی ہے خواہ معمول مقدم ہو یا مؤخر ہو عمل کرے گا۔

ان دونوں کی دلیل شاعر کا یہ قول ہے۔ " اتھجر سلمیٰ بالفراق حبیبھا وما کاد نفسًا بالفراق تطیب"

شعر میں کاد کے اندر ضمیر "ھُوَ" شان مانی جائے اور تطیب واحد مؤنث غائب فعل مضارع ہے اسمیں (ھی) ضمیر مؤنث راجع ہے سلمیٰ کی طرف جس سے سلمیٰ کا خوش ہونا معلوم ہوتا ہے اب اس میں ابہام ہے کہ کس اعتبار سے خوش ہے اس ابہام کو تمیز

نفسًا نے دور کردیا لہذا نفسًا غیر ہے اور وہ اپنے عامل تطیب پر مقدم ہے اور تطیب فعل ہے اس لئے اس کے معمول کا اس پر مقدم ہونا صحیح ہے۔

جمہور تین جواب دے رہیں ہے:

(۱) کاد میں ضمیر راجع ہے حبیب کی طرف اور نفسًا تمیز واقع ہے، کاد کی نسبت سے حبیب کی طرف۔(۲) یہ شاذ ہے۔(۳) یجوز فی الشعر مالایجوز فی غیرہ۔

(۸) المستثنی متصل ومنقطع الخ:

منصوبات کی آٹھویں قسم مستثنیٰ ہے۔ مستثنیٰ میں چھ چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) مستثنیٰ کا لغوی معنی۔(۲) مستثنیٰ کا اصطلاحی معنی۔(۳) مستثنیٰ کی قسمیں۔(۴) مستثنیٰ کے احکام۔(۵) لفظ غیر کا اعراب۔(۶) سویٰ اور سوائے کا اعراب

پہلی بات: مستثنیٰ کا لغوی معنی:

مستثنیٰ کو لغت میں کہتے ہیں نکالا ہوا، پھیرا ہوا۔

دوسری بات: مستثنیٰ کا اصطلاحی معنی:

مستثنیٰ اصطلاح میں وہ لفظ ہے جو اِلاَّ اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو۔ الا اور اس کے اخوات سے پہلے والے لفظ کو مستثنیٰ منہ کہتے ہیں اور بعد والے لفظ کو مستثنیٰ کہتے ہیں۔ جیسے " جاء نی القومُ الا زیدًا" (آئی ہے میرے پاس قوم مگر زید) القوم مستثنیٰ منہ الا حرف استثناء زیدا مستثنیٰ۔

تیسری بات: مستثنیٰ کی قسمیں اور ان کی تعریفیں:

مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) مستثنیٰ متصل (۲) مستثنیٰ منقطع

مستثنیٰ متصل اور منقطع کی تعریف میں اختلاف ہے۔ عام نحویین اور محققین کے درمیان، عام نحویین کا مذہب یہ ہے، مستثنیٰ متصل وہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے جنس میں سے ہو اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے جنس میں سے نہ ہو۔ مستثنیٰ متصل کی مثال: جیسے " جاء نی القومُ الازیدا"

مستثنیٰ منقطع کی مثال۔جیسے "جاء نی القوم الاحمارًا" "احترقت الدار الا الکتب"

ومذهب المحققين مستثنیٰ متصل وہ ہے کہ مستثنیٰ داخل ہو مستثنیٰ منہ میں استثناء سے پہلے قطعی طور پر خواہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے جنس میں سے ہو یا نہ ہو۔

اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے خارج ہو استثناء سے پہلے قطعی طور پر خواہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے جنس میں سے ہو یا نہ ہو۔

مصنفؒ کے نزدیک محققین کا مذہب پسندیدہ ہے۔

اب تعریفیں یہ ہوگی۔

مستثنیٰ متصل وہ جس کو الا اور اس کے اخوات کے ذریعے متعدد سے نکالا گیا ہو۔ لفظًا یا تقدیرًا یعنی مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل تھا پھر الا اور اس کے اخوات کے ذریعے مستثنیٰ منہ کے حکم سے نکالا گیا۔ لفظ کی مثال۔ جیسے " جاء نی القوم الا زیدًا" مقدر کی مثال۔ جیسے " ماجاء نی الا زیدٌ احدٌ " مقدر ہے۔

مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو الا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو درانحالیکہ اس کو متعدد سے نہ نکالا گیا ہو کیونکہ وہ پہلے ہی سے خارج ہے داخل ہی نہیں تھا۔ پھر چاہے مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس میں ہو یا نہ ہو۔ اول کی مثال۔ جیسے " جاء نی القوم الا زیدًا" اس میں زیدًا اس وقت مستثنیٰ منقطع ہوگا جب قوم سے مراد وہ جماعت ہو جس میں زید داخل نہ ہو اور اگر قوم سے مراد وہ جماعت ہو جس میں زید بھی داخل ہے تو پھر یہ مستثنیٰ متصل ہوگا۔

جنس میں سے نہ ہونے کی مثال "جاء نی القوم الاحمارًا" اس میں حمارًا مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ الا کے بعد مذکور ہے اور القوم مستثنیٰ منہ سے اس کو نکالا نہیں گیا کیونکہ وہ القوم میں داخل ہی نہیں تھا اور نہ ہی قوم کی جنس میں سے ہے۔

چوتھی بات: مستثنیٰ کے احکام:

مستثنیٰ کے احکام یہ ہیں کہ مستثنیٰ کے اعراب کی چار قسمیں ہیں۔(۱) نصب واجب (۲) نصب جائز و بدل مختار (۳) اعراب بحسب العوامل (۴) جر

(۱) نصب پڑھنا واجب ہے جب یہ چار صورتیں پائی جائیں۔(۱) مستثنیٰ متصل الا

کے بعد (۲) غیر صفتی کے بعد (۳) کلام موجب میں واقع ہو، کلام موجب کہتے ہیں کہ جس میں نفی، نہی اور استفہام نہ ہو اور کلام غیر موجب جس میں نفی نہی استفہام ہو۔ جیسے "جاء نی القومُ الا زیداً" وقولہ تعالیٰ "فشربوا منه الا قلیلاً منهم"

(۴) یا مستثنیٰ منقطع ہو اور الا کے بعد واقع ہو خواہ کلام موجب ہو۔ جیسے "جاء نی القومُ الا حماراً" یا کلام غیر موجب ہو۔ جیسے "ماجاء نی القوم الاحمارًا" اکثر لغات یا اکثر مذاہب میں اکثر لغات سے مراد اہل حجاز کی لغت ہے کیونکہ اہل حجاز کے قبائل بہت ہیں دوسرا احتمال یہ ہے کہ اکثر سے مراد اکثر مذاہب ہوں یہ بھی صحیح ہے کیونکہ اکثر نحاۃ نے اہل حجاز کی لغت پر عمل کیا ہے۔

بنوتمیم حضرات کے نزدیک مستثنیٰ منقطع پر نصب متعین نہیں بلکہ ان کے یہاں مستثنیٰ سے پہلے جو اسم ہے یعنی مستثنیٰ منہ اگر اس کا حذف کرنا صحیح ہو تو وہ مستثنیٰ کو ماقبل سے بدل قرار دیکر جو اعراب مبدل منہ کا ہوگا وہی اعراب بدل پر آئے گا نصب متعین نہ ہوگا۔ جیسے "ماجاء نی القوم الاحمارًا" اس مثال میں قوم کو حذف کر سکتے ہیں اس کے حذف کرنے میں معنی فاسد نہیں ہوتے اس لئے حمار کو مستثنیٰ منہ نہیں کہیں گے بلکہ القوم سے بدل قرار دیکر اس پر رفع پڑھیں گے۔

اور اگر مستثنیٰ سے پہلے ایسا اسم ہو جس کا حذف کرنا صحیح نہ ہو اور حذف کرنے سے فساد معنی لازم آرہا ہے تو پھر وہ حجازیین کی موافقت کرتے ہیں۔ اور مستثنیٰ پر صرف نصب پڑھتے ہیں۔ جیسے "لاعاصِمَ الیومَ مِنْ اَمْرِ اللهِ اِلَّا مَنْ رَحِمَ" اس مثال میں عَاصِمَ مستثنیٰ منہ ہے جس کا حذف جائز نہیں اس لئے کہ یہ لائی نفی جنس کا اسم ہے اس کی خبر موجودٌ محذوف ہے۔

اگر اسم کو بھی حذف کر دیا جائے تو لا کا کوئی اثر ہی نہ رہے گا جب عاصم کا حذف جائز نہیں تو مَنْ رَحِمَ کو اس سے بدل نہیں قرار دے سکتے۔ اس لئے اس کا مستثنیٰ ہونا متعین ہے اور مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے اس لئے "مَنْ رَحِمَ" منصوب ہوگا لیکن اس کا منصوب ہونا محل کے اعتبار سے ہے اس لئے یہ منصوب محلی کہلائے گا۔

(۳) یا مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہوخواہ کلام موجب ہو۔ جیسے " جاء نی الا زید القوم" یا کلام غیر موجب ہو۔ جیسے " ماجاء نی الا زیدًا احدٌ" وقول الفرزدق مثله فی الناس الا مملکاًابو امه حی ابوه یقاربه"

(۴) یا خلا وعدا کے بعد ہوا کثر کے نزدیک۔ جیسے " جاء نی القوم خلا زیدًا وعدا زیدًا"

یا ماخلا وما عدا کے بعد ہو۔ جیسے " جاء نی القوم ماخلا زیدًا وما عدا زیدًا"

یا لیس لا یکون کے بعد ہو۔ جیسے " جاء نی القوم لیس زیدًا لایکون زیدًا"

اخفش کے نزدیک ما خلا اور ماعدا کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے وہ ما کو زائدہ مانتے ہیں اور خلا وعدا کو حرف جار کہتے ہیں۔

تو ان سب صورتوں میں مستثنیٰ وجوبًا منصوب ہوگا۔ یہ کل نو (۹) صورتیں ہیں۔

اول تین صورتوں میں مستثنیٰ کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مستثنیٰ فضلہ ہونے میں مفعول بہ کے مشابہ ہے۔

خلا اور عدا کے بعد اکثر نحویوں کے ہاں مستثنیٰ منصوب اس لئے ہوتا ہے کہ ان کے ہاں یہ دونوں فعل ہیں،" خلا یخلو خُلُوًّا عَدَا یَعْدُوْا عَدْوًا " بمعنیٰ تجاوز کرنا اور ان کا فاعل وہ ضمیر ہے جو انمیں مستتر ہے اور ماقبل والے فعل کے مصدر کی طرف لوٹتی ہے اور ان کا مابعد مستثنیٰ مفعول بہ ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔

ما خلا ماعدا کے بعد مستثنیٰ کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کلمہ ما مصدریہ ہے جو فعل کے ساتھ خاص ہے لہٰذا ما خلا اور ماعدا فعل ہونگے اور دونوں کی فاعل ضمیر مستتر ہوگی جو ماقبل والے فعل کے مصدر کی طرف لوٹے گی یا مستثنیٰ منہ کی طرف لوٹے گی اوران کے بعد مستثنیٰ مفعول بہ ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔

لیس اور لایکون کے بعد مستثنیٰ کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں افعال ناقصہ میں سے ہیں اور ان کا اسم استثناء کی بحث میں ہمیشہ ضمیر مستتر ہوتی ہے جو ماقبل والے فعل کے اسم فاعل کی طرف لوٹتی ہے اور ان کا مابعد جو مستثنیٰ ہے وہ ان کی خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہوتی ہے پھر یہ دونوں مستثنیٰ منہ سے حال ہو کر محلا منصوب ہونگے۔ جیسے " جاء نی

القومُ لیس زیدًا ای جاء نی القوم لیس الجائیُ مِنھُمْ زیدًا"

جاء نی القوم لایکون زیدًا ای جاء نی القومُ لایکون الجائی منھم زیدًا"

ویجوز فیه النصب ویختار البدل الخ:

(۲) مستثنیٰ الا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو درانحالیکہ مستثنیٰ منہ مذکور ہوتو اس صورت میں مستثنیٰ میں دو وجہیں جائز ہیں۔(۱) نصب اس بناء پر کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے فضلہ ہونے میں مفعول بہ کے مشابہ ہے۔

(۲) بدل یہ الا کے ماقبل یعنی مستثنیٰ منہ سے بدل البعض ہے اور یہ دوسری وجہ مختار ہے کیونکہ بدل کلام مقصود ہوتا ہے بخلاف نصب کے۔جیسے " مَافَعَلُوْهُ الا قلیلٌ والاَّ قلیلاً" یہ قاعدہ مذکورہ کی مثال ہے اس میں قلیلاً پر استثناء کی بناء پر نصب ہے اور قلیلٌ فعلوہ کی ضمیر سے بدل البعض کی بناء پر مرفوع ہے اور یہی مختار ہے۔

ویعرب المستثنیٰ علی حسب العوامل الخ :

(۳) تیسری قسم کا اعراب یہ ہے کہ مستثنیٰ مفرغ ہو بایں طور کہ مستثنیٰ الا کے بعد کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہوتو مستثنیٰ کا اعراب بحسب العوامل ہوگا۔عامل رافع ہے تو مرفوع ہوگا۔جیسے " ماجاء نی الا زیدٌ" اگر عامل ناصب ہے تو منصوب ہوگا ۔جیسے " ما رائیتُ الا زیداً" اگر عامل جار ہوتو مجرور ہوگا۔جیسے " مامررت الا بزیدٍ"

اس کی وجہ یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ جب محذوف ہوگیا تو مستثنیٰ اس کے قائم مقام ہوگیا لہٰذا جو اعراب مستثنیٰ منہ کا تھا وہی اعراب اب مستثنیٰ کا ہوگا کیونکہ جو چیز کسی کے قائم مقام ہوجاتی ہے۔تو اسی کا حکم لے لیتی ہے۔

فائدہ:

مفرغ اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی فارغ کیا ہوا مفرغ سے مراد مفرغ لہ ہے،
مستثنیٰ مفرغ وہ ہے جس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہوتو چونکہ مستثنیٰ منہ کے محذوف ہونے کی

وجہ سے اس کا عامل مستثنیٰ کے لئے فارغ ہوگیا اس لئے اس کا نام مفرغ لہ رکھا گیا گویا عامل مفرغ ہے اور مستثنیٰ مفرغ لہ اور مستثنیٰ منہ مفرغ منہ ہے۔

قوله الا اَنْ يستقيم المعنى بان يكون الحكم الخ

اگر کلام موجب میں معنی صحیح بنتا ہو تو کلام موجب میں بھی مستثنیٰ کا اعراب عامل کے مطابق ہوگا۔ جیسے قرأتُ الا یوم کذا، یعنی میں نے ان تمام ایام میں پڑھا جو میرے اور مخاطب کے درمیان میں ہیں۔ مگر فلاں دن نہیں پڑھا، اس صورت میں معنی صحیح بن رہا ہے۔ اور ما زال زید الا عالمًا کی مثال دینا صحیح کیونکہ زال نفی کا معنی دیتا ہے اور ما نافیہ جب نفی پر داخل ہو تو نفی پر نفی داخل ہونے کی وجہ سے اثبات کا معنی بن گیا۔ یعنی زید صفت علم کے سوا تمام صفات کے ساتھ ہمیشہ متصف رہا ہے۔ اور یہ معنی درست نہیں کیونکہ زید میں تمام صفات متضادہ وغیر متضادہ اور ممکنہ وغیر ممکنہ جمع ہونا محال ہے اس لئے یہ مثال جائز ہیں۔

قوله واذا تعذَّر البدل ومن حيث جمله على اللفظ اى لفظ المستثنىٰ منه فعلى الموضوع الخ:

صاحب ماتنؒ نے پہلے قاعدہ بیان کیا تھا کہ مستثنیٰ جب الا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہو تو اسے منصوب پڑھنا بھی جائز ہے مگر ماقبل سے بدل بنانا اولیٰ ہے، اب فرماتے ہیں کہ اگر لفظ مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے بدل بنانا متعذر ہو تو مستثنیٰ منہ کے محل پر حمل کیا جائے گا تا کہ اولیٰ پر بقدر امکان عمل ہو سکے جیسے ماجاءنی منْ احد الا زیدٌ اس مثال میں منْ احدٍ مستثنیٰ منہ ہے اور زیدٌ مستثنیٰ ہے تو زیدٌ کو من احد مستثنیٰ منہ پر حمل کرنا اس وجہ سے متعذر ہے کہ اگر لفظ زید کو منْ واحد سے بدل بنائیں تو منْ لفظ زید کے شروع میں بھی زائد ہوگا۔ کیونکہ بدل تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے جب کہ الا کے بعد منْ کو زائد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ منْ استغراقیہ اثبات کے بعد زائد نہیں ہوتا تو جب زید کو لفظ منْ احمد محمول کرنا صحیح نہ ہوا تو محل منْ احدٍ پر محمول کیا جائے گا۔ اور منْ احدٍ محلاً مرفوع ہے فاعل ہونے کی

وجہ سے اس لئے زیدٌ مرفوع ہوگا۔

اور لااحد فیها الا عمروٌاور ما زیدٌ شیاءً الا شیءٌ میں لفظ مستثنٰی منہ احد اور شیئاً ہیں اس مثالوں میں لفظ مستثنٰی منہ پر حمل کرنا متعذر ہے کیونکہ لفظوں پر حمل کی صورت میں مثال اول میں عمروٌ سے قبل لا اور مثال ثانی میں شیٔ سے قبل ما کو مقدر ماننا پڑے گا جب کہ ما و لا کو یہاں مقدر ماننا صحیح نہیں کیونکہ لائے نفی نفس اور ماشبہ بلیس معنیٰ نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں جب کہ نفی الا کے سبب ختم ہوگئی۔

لہٰذا محل پر حمل کرتے ہوئے دونوں کو مرفوع پڑھیں گے کیونکہ مثال میں لفظ احد ابتداء کی وجہ سے لفظ مرفوع ہے اور مثال ثانی میں شیٔ خبریت کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔

قوله بخلاف ليس زيدٌ شيأً اِلَّا شيأً الخ

اگر لفظوں پر حمل کرنا ممکن ہو تو محل پر حم کرنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے لیس زیدٌ شیئاً الا شیئاً اس مثال میں دوسرا شیئاً جو مستثنٰی ہے اس کو شیئاً اول مستثنٰی منہ پر لفظاً حمل کرنا صحیح ہے کیونکہ لیس کے بعد الا کے آنے کی وجہ سے لیس کا عمل ختم نہیں ہوا اس لئے کہ لیس فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے عمل کر رہا ہے، نفی کی وجہ سے نہیں تو جیسے فعل کے بعد الا کا آنا عمل مانع نہیں ہوتا اسی طرح لیس کے بعد الا کا آنا مانع عن العمل نہ ہوگا۔ لہٰذا لیس زیدٌ شیئاً الَّا شیئاً میں شیاء مستثنٰی کو لفظوں پر حمل کرتے ہوئے منصوب پڑھا جائے گا۔

قوله ومن ثمّ جاز ليس زيدٌ الَّا قائما الخ

چونکہ لیس کے بعد اِلَّا اس کے عمل سے مانع نہیں اس لئے لیس زیدٌ الا قائما کہنا صحیح ہے اگرچہ اس میں الا کی وجہ معنیٰ نفی باطل ہوگیا لیکن لیس فعلیت ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے۔ معنیٰ نفی کی وجہ سے نہیں اور فعلیت باقی ہے، لہٰذا لفظ لیس قائما مین عمل کر سکتا ہے۔

قوله وامتنع مازيدٌ الا قائماً

اور ما زیدٌ اِلَّا قائما کہنا صحیح نہیں کیونکہ ما کا عمل معنیٰ نفی کی وجہ سے تھا جو کہ اِلَّا کے سبب ختم ہوگیا۔

واعراب غیر فیه کاعراب المستثنیٰ بالاالخ :

(۴) چوتھی قسم کا اعراب یہ ہے کہ مستثنیٰ غیر اور سویٰ سواء کے بعد واقع ہو تو مجرور ہوگا کیونکہ یہ تینوں مضاف ہونگے اور مستثنیٰ مضاف الیہ ہوگا اسی طرح حاشا کے بعد مستثنیٰ واقع ہو تو اکثر نحویوں کے ہاں مجرور ہوگا کیونکہ یہ حرف جر ہے لیکن بعض نحویوں کے ہاں یہ فعل متعدی ہے اس میں ضمیر فاعل ہے اس کے بعد مستثنیٰ بنا بر مفعول کے منصوب ہوگا جیسے ''خلا وعدا'' میں تفصیل گزر چکی ہے۔

پانچویں بات: لفظ غیر کا اعراب:

لفظ غیر کی دو قسمیں ہیں (۱) صفت کے لئے۔ (۲) استثناء کے لئے۔

لفظ غیر جب صفت کے لئے ہوگا تو اس کا اعراب اپنے موصوف جیسا ہوگا اور اگر استثناء کے لئے ہو تو اس کا وہ اعراب ہوگا جو مستثنیٰ بالا کا ہوتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ

لفظ غیر جب کلام موجب میں واقع ہو یا مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو یا مستثنیٰ منقطع ہو تو غیر پر نصب پڑھنا واجب ہے جس طرح مستثنیٰ میں تفصیل تھی۔

اور اگر لفظ غیر کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو نصب اور بدل دونوں جائز ہیں جس طرح مستثنیٰ میں تفصیل تھی اور اگر لفظ غیر کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو جیسا عامل ہوگا ویسا ہی غیر پر اعراب جاری ہوگا۔

لفظ غیر میں اصل اور لفظ الا میں اصل کیا ہے۔

وغیر ای کلمة غیر فی الاصل صفة الخ :

لفظ غیر میں اصل تو یہ ہے کہ ماقبل کی صفت واقع ہو۔ جیسے '' جاء نی رجلٌ غیر زید'' رجلٌ موصوف غیر مضاف زید مضاف الیہ مل کر اس کی صفت۔

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے لفظ غیر کو الا پر محمول کر کے استثناء میں استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ''جاء نی القوم غیر زید '' یہاں لفظ غیر صفت کے لئے نہیں ہے کیونکہ موصوف اور صفت کے درمیان تعریف اور تنکیر میں مطابقت ضروری ہے اور یہاں القوم معرفہ ہے اور لفظ غیر نکرہ ہے کیونکہ غیر میں ابہام بہت ہوتا ہے وہ معرفہ ہونے کے باوجود معرفہ نہیں ہوتا تو

جب صفت کے لئے نہ ہو سکا تو استثناء کے معنی میں کر دیا جائے گا۔

کما حملت الا ای علی کلمة غیر فی الصفة الخ:

لفظ الا میں اصل تو یہ ہے کہ استثناء کے لئے ہو لیکن جب استثناء کے لئے نہ ہوسکتا ہو تو غیر کے معنی میں استعمال کیا جائے گا اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب تین شرائط پائی جائیں۔

(۱) جمع کے بعد ہو (۲) وہ جمع نکرہ ہو۔ (۳) وہ غیر محصور ہو اس کی مثال۔ جیسے " لو کان فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهِ لَفَسَدَتَا الخ" اس میں الا غیر کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اس میں تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں، اٰلھۃٌ جمع متعدد ہے، نکرہ ہے۔ غیر محصور ہے اور اس کے بعد الا ہے اور الا کے مابعد یعنی لفظ اللہ کا ماقبل میں نہ دخول یقینی ہے اور نہ عدم دخول یقینی ہے اس لئے استثناء کی دو قسموں میں سے کوئی قسم متعین نہیں کی جاسکتی تو جب استثناء متعدد ہے تو الا کو غیر کے معنی میں لیا جائے گا۔

دوسری وجہ ہے کہ اگر الا کو استثناء کے لئے مانا جائے تو وحدانیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ استثناء کی صورت میں معنی ہوگا۔ اگر زمین وآسمان میں ایسے معبود ہوتے جن میں اللہ مستثنٰی ہوتا تو آسمان وزمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا اور اگر اللہ کو الھۃ سے مستثنٰی نہ کیا جائے بلکہ اللہ بھی ہو اور دیگر معبود بھی ہوں تو نظام درھم برہم نہ ہوگا اس سے وحدانیت ثابت نہ ہوگی۔

اس لئے الا کو غیر کے معنی میں کیا جائے گا۔ غیر کے معنی میں الا کو اس وقت استعمال کیا جائے گا جبکہ شرائط پائی جائیں اگر شرائط نہ پائی جائیں تو پھر غیر کے معنی میں استعمال کرنا ضعیف ہے، مصنفؒ نے ضعف کا لفظ استعمال کیا لم یجز نہیں کیا اس لئے کہ امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ شرائط اگر نہ بھی پائی جائیں تب بھی اِلَّا کو غیر کے معنی میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

دلیل شعر ہے۔ " وکل اخ مفارقه اخوه لعمرابیک الا الفرقدان

اس شعر میں الا الفرقدان میں الا غیر کے معنی میں ہے استثناء کے لئے نہیں

ہے اگر استثناء کے لئے ہوتا تو فرقدین نصب کے ساتھ ہوتا کیونکہ مستثنیٰ کلام موجب میں منصوب ہوتا ہے اور یہاں پر الف کے ساتھ ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ یہ مرفوع ہے اور کل اخ کی صفت ہے۔

مصنفؒ نے کہا کہ یہ حمل ہے شاذ ہونے پر وحمل المصنف ذلک علی الشذوذ اس واسطے کہ کل اخ محصور ہے اور محصور کے بعد استثناء متعدد نہیں ہوتا تو پھر خواہ مخواہ الا کو غیر کے معنی میں استعمال کرنا درست نہ ہوگا اس لئے شاذ کا حکم لگایا کیونکہ اصل کے جواز کی صورت میں خلاف اصل استعمال کرنا شاذ ہے۔

اس شعر میں دو اور شاذ ہیں۔(۱) فرقدان کو کل کی صفت قرار دیا گیا ہے حالانکہ صفت کل کے مضاف الیہ کی ہوتی ہے نہ کہ کل کی۔

(۲) کل اخ موصوف ہے اور الا الفرقدان صفت ہے ان کے درمیان خبر یعنی مفارقہ، اخوہ کا فصل ہے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے اس لئے یہ بھی شاذ ہے۔

چھٹی بات: سویٰ اور سواء کا اعراب:

سویٰ بالقصر اور سِواءَ بالمد کے اعراب میں اختلاف ہے اس میں تین مذاہب ہیں۔

(۱) سیبویہؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں ہمیشہ ظرف ہوں گے اور ان پر صرف نصب آئے گا۔ جیسے "جاء نی القوم سویٰ زیدًا و سواء زیدًا" صحیح مذہب یہی ہے۔

(۲) کوفیین کا مذہب یہ ہے کہ ان کے لئے ظرفیت لازم نہیں ہے ان پر رفع، نصب، جر، تینوں اعراب آسکتے ہیں جس طرح غیر پر تینوں اعراب جاری ہوتے ہیں۔

دلیل ان کی شاعر کے قول سے۔

ولم یبق سوی العدوان دِناهم کما دانو

(۳) اخفشؒ کہتے ہیں سویٰ اور سواء یہ ہمیشہ ظرف نہیں ہوتے لیکن اعراب ان پر نصب ہی رہیگا۔ جیسے " لقد تقطع بینکم" میں نصب ہے حالانکہ وہ اس وقت ظرف نہیں ہے اس لئے

اکثر حالات میں ان پر نصب ہوتا ہے اس لئے نصب کے علاوہ دوسری حرکت مناسب نہیں ہے۔

(۹) خبر کان و اخواتها هو المسند بعد دخولها الخ

منصوبات کی نویں قسم خبر کان واخواتھا ہے۔

خبر کان واخواتھا میں چار چیزیں مطلوب ہیں۔(۱) خبر کان واخواتھا کی تعریف۔ (۲) کان واخواتھا کی خبر کا حکم مبتداء کی خبر کی طرح کن چیزوں میں ہے اور کن میں نہیں ہے۔(۳) کان کو کب حذف کیا جاتا ہے۔(۴) کان کا حذف واجب کس میں ہے؟

پہلی بات: خبر کان و اخواتها کی تعریف:

تعریف یہ ہے کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر وہ ہے جو ان کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو۔ جیسے "کان زیدٌ قائمًا" زیدٌ اسم ہے کان کا اور قائماً خبر ہے کیونکہ کان کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے۔

دوسری بات: کان و اخواتها کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کی طرح:

کان اور اس کے اخوات کا حکم مبتداء کی خبر کی طرح تین چیزوں میں ہے۔

(۱) اقسام (۲) احکام (۳) شرائط

(۱) اقسام کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مبتداء کی خبر، مفرد، جملہ، معرفہ اور نکرہ ہوتی ہے اسی طرح کان کے خبر کی بھی یہی قسمیں ہیں۔

(۲) احکام کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مبتداء کی خبر واحد متعدد ہوتی ہے اسی طرح مثبت اور منفی ہوتی ہے اور کبھی محذوف ہوتی ہے اور کبھی مذکور ہوتی ہے اسی طرح کان اور اس کے اخوات کی خبر میں یہی احکام جاری ہوتے ہیں۔

(۳) شرائط کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مبتداء کی خبر اگر جملہ ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے یہی حال کان اور اس کے اخوات کی خبر کا ہے۔

ہاں ایک فرق ہے کہ مبتداء کی خبر میں معرفہ ہو تو اس کو مبتداء پر مقدم کرنا جائز نہیں کیونکہ التباس کا خطرہ ہے مگر کان اور اس کے اخوات کی خبر جب معرفہ ہو تو اس کو ان کے

اسماء پر مقدم کرنا جائز ہے۔ جیسے " کان القائمُ زیدٌ " کیونکہ اعراب کے مختلف ہونے کی وجہ سے یہاں التباس کا خطرہ نہیں کیونکہ اسم معرفہ ہے خبر منصوب ہے التباس نہیں ہوگا۔

ہاں البتہ جب کان اور اس کے اخوات کے اسم و خبر میں اعراب لفظی بھی منتفی ہو اور قرینہ معنوی بھی منتفی ہو تو چونکہ اس وقت التباس کا خطرہ ہے معلوم نہ ہوگا کہ کونسا لفظ اسم اور کونسا لفظ خبر ہے تو اس وقت خبر کو اسم پر مقدم کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ جو لفظ مقدم ہوگا وہ اسم ہے اور جو لفظ موَخر ہوگا وہ خبر بنے گا۔ جیسے " کان الفتیٰ ھذا"

تیسری بات: کان کو کب حذف کیا جاتا ہے:

کان کو قرینہ کی وجہ سے حذف کردیا جاتا ہے اس لئے کہ کان کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اور کان کے اخوات کا استعمال کثیر نہیں ہے اس لئے ان کو حذف نہیں کیا جاتا ہے۔ جیسے " الناس مجزیون باعمالھم ان خیرًا فخیرٌ وان شراً فشروٌ" اس مثال میں خیراً اور شراً خبر ہے کان محذوف کی۔

ویجوز فی مثلھا اربعة اوجه الخ:

مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں ان شرطیہ کے بعد اسم ہو اور اس کے بعد فاء ہو پھر فاء کے بعد ایک اور اسم ہو تو ایسی ترکیب میں چار (۴) صورتیں جائز ہیں۔ (۱) نصب الاول ورفع الثانی ای ان کان عمله خیراً فجزائیه خیرٌ (۲) نصبهماان خیراً فخیراً ای ان کان فی عمله خیراً فکان جزاء ہ خیراً (۳) رفعهماان خیرٌ فخیرٌ ای ان کان فی عمله خیرٌ فجزاہ خیرٌ (۴) رفع الاول ونصب الثانی ان خیرٌ فخیراً ای ان کان فی عمله خیرٌ فکان جزاء ہ خیراً

ان چاروں وجوہ کی قوت اور ضعف کا دارومدار قلت حذف اور اس کی کثرت پر ہے۔

(۱) پہلی صورت میں حذف کم ہے اس لئے وہ سب میں قوی ہے اس میں صرف تین چیزوں کا حذف ہے۔ (۱) کان کا فعل (۲) اور اس کا اسم (۳) مبتداء محذوف ہے۔

(۲) چوتھی صورت سب میں ضعیف ہے اس لئے کہ محذوفات اس میں پانچ چیزیں

ہیں۔(۱) کان (۲) جار (۳) مجرور شرط میں ہے جزاء سے (۴) کان (۵) اور اس کا اسم۔

(۲) دوسری اور تیسری صورت متوسط ہے کیونکہ ان میں محذوف چیزیں چار ہیں۔شرط سے (۱) کان (۲) اس کا اسم جزاء سے بھی یہی دو (۲) ہیں ثانی صورت میں۔

تیسری صورت میں شرط سے (۱) کان (۲) جار (۳) مجرور جو اس کی خبر ہے جزاء سے (۴) مبتداء محذوف ہے۔

چوتھی بات: کان کا محذوف کس میں واجب ہے؟

کان کا حذف اس جیسی مثال " اما انت منطلقًا الطُلقت" میں واجب ہے جس میں کان کو حذف کر کے اس کے عوض لائیں تو ایسی ترکیب میں کان کا حذف واجب ہے کیونکہ عوض کے ساتھ اگر کان کو ذکر کیا جاتا ہے۔

تو عوض اور معوض کا اجتماع لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔

"اما انت منطلقًا انصلقت" اصل میں "لان کنت منطلقًا انطلقت " ہے، لام جارہ کو تخفیف کی وجہ سے حذف کر دیا اس کے بعد کان کو اختصار کے لئے حذف کیا گیا اور کان کی جگہ ما مصدریہ لے آئے اور کنت کی ضمیر متصل کو ضمیر منفصل یعنی انت سے بدل لیا تو ہو گیا" ان ما انت منطلقًا " پھر اس کے بعد نون کو میم کر کے میم کو میم میں ادغام کر دیا گیا تو اما انت ہوا منطلقًا اور انطلقت اپنے حال پر ہیں یہاں حذف واجب ہے باعتبار وجود قرینہ اور ساد المسدّ

قرینہ یہ ہے کہ معمول پر نصب ہے اور سدّ المسدّ یہ ہے کہ کان کی جگہ ما مصدریہ لے آئیں ہیں۔

(۱۰)اسم اِنَّ واخواتها هو المسند اليه الخ:

منصوبات کی دسویں قسم اسم اِنَّ واخواتها ہے۔

اِنَّ اور اس کے اخوات کا اسم وہ ہے جو اُن کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو۔جیسے "اِنَّ زیدًا قائمٌ " زیدًا اسم اِنَّ کا قائمٌ خبر ہے۔

(۱۱) المنصوب بلاالتي لنفي الجنس هو المسند اليه الخ:

منصوبات کی گیارہویں قسم المنصوب بلاالتی لنفی الجنس ہے۔اس میں چھ چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱)لاءِ نفی جنس کی تعریف۔(۲)لاءِ نفی جنس کا اسم منصوب کب ہوگا؟(۳)لاءِ نفی جنس کا اسم مرفوع کب ہوگا؟(۴)لاءِ نفی جنس پر اگر ہمزہ داخل ہو جائے تو کیا لا کے عمل پر کوئی اثر پڑے گا۔(۵)لاءِ نفی جنس کا اسم مبنی ہو تو اس کی صفت کیا ہوگی اور اس صفت پر اعراب کیا آئیگا۔(۶)لاءِ نفی جنس کے اسم کو کب حذف کیا جاتا ہے؟

پہلی بات: لاءِ نفی جنس کی تعریف:

منصوب بلاالتی لنفی الجنس وہ اسم ہے جو لاء کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو درانحالیکہ وہ مسند الیہ لا کے ساتھ متصل واقع ہو، نکرہ ہو مضاف یا شبہ مضاف ہو۔

فائدہ: مصنفؒ نے یہاں اسم لا التی الجنس نہیں کہا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دیگر منصوبات کی طرح اسم لاالتی الخ کہتے تو یہ سمجھا جاتا کہ لاء التی الخ کا اسم ہر حال میں منصوب ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ہر حال میں تو کیا منصوب ہوتا اکثر حال میں بھی منصوب نہیں ہوتا۔

لاءِ نفی جنس کا اسم آٹھ وجوہ پر ہے۔وجہ حصر یہ ہے لاء کا اسم مفرد ہوگا یا مضاف ہوگا، مفرد نکرہ یا معرفہ اور مضاف نکرہ یا معرفہ، نکرہ یا موصول نکرہ یا مفصول معرفہ موصول معرفہ یا مفصول۔

(۱) مثال مفرد نکرہ موصول "لااحدٌ فی الدار" (۲) مثال مفرد نکرہ مفصول "لافی الدار رجلٌ والا امراۃٌ"(۳) مثال مفرد معرفہ موصول "لازیدٌ فی الدار ولاعمروٌ"(۴) مثال مفرد معرفہ مفصول "لافی الدار زیدٌ ولاعمروٌ (۵) مثال مضاف معرفہ موصول "لاغُلامُ زیدٍ ولاعمروٌ"(۶) مثال مضاف معرفہ مفصول" لافیھا غُلامُ زیدٍ ولاعمروٌ" (۷) مثال مضاف نکرہ مفصول"لافیھا غلامُ رجلٍ

و لاامرءةٍ"(۸)مثال مضاف نکرہ موصول" لاغلامُ رجلٍ ظریفٌ فیھا"

اسم پہلی صورت میں مبنی علی الفتح ہے اور آٹھویں صورت میں منصوب ہوگا، باقی چھ صورتوں میں اسم مرفوع ہوگا۔

دوسری بات: لاءنفی جنس کا اسم منصوب کب ہوگا؟

لاءنفی جنس کا اسم اس وقت منصوب ہوتا ہے جب اس میں تین شرطیں ہوں۔(۱) لاء کا اسم متصل ہو۔(۲)اسم نکرہ ہو(۳)اسم مضاف یامشابہ مضاف ہو۔جیسے" لاغلامَ رجلٍ "لانفی جنس ہے غلام نکرہ متصل مضاف ہے یہ نکرہ مضاف کی مثال تھی۔

نکرہ شبہ مضاف کی مثال" لاعشرین درھمًا لک"عشرین نکرہ متصل شبہ مضاف ہے۔

انتباہ:

بعض نسخوں میں پہلی مثال " لاغلام رجل" کے بعد ظریف فیھا ہےاس نسخہ کی بناء پر ظریف فیھالاءنفی جنس کی خبر ہےاس وقت لک کاتعلق صرف عشرین سے ہوگا۔

اگر تین شرطوں میں سے صرف آخیر قید نہ پائی جائے یعنی مضاف اورشبہ مضاف نہ ہوتو اس صورت میں لاء کے اسم کوعلامت نصب پرمبنی کردینگے۔علامت نصب پرمبنی کا مطلب یہ ہے کہ لاء کے داخل ہونے سے پہلے اسم پرنصب کی حالت میں جوحرکت ہوتی ہےلاء کے داخل ہونے کے بعداسی حرکت پرلاء کااسم مبنی ہوجائے گا۔اگرمفرد ہےتوفتح پرمبنی ہوگاجیسے" لارجل فی الدر " اورجمع مؤنث سالم ہوتوکسرہ پرمبنی ہوگا۔جیسے" لامسلماتِ فی الدار"کسرہ کے ساتھ بغیر تنوین کے۔اورتثنیہ میں یاءماقبل مفتوح ہوگا۔جیسے" لامسلمین"

جمع مذکرسالم ہوتویاءماقبل مکسورہوگا۔جیسے" لامسلمینَ لک"

مفرد سے مراد یہ ہے کہ مضاف اورمشابہ مضاف نہ ہواس لئے یہاں مفرد کے حکم میں تثنیہ اورجمع بھی شریک ہوں گے یعنی اگرلاءنفی جنس کااسم تثنیہ ہو یاجمع ہوتو وہ بھی مبنی ہوں گے جیساکہ ابھی اس کی مثالیں بیان کی گئیں ہیں۔

تیسری بات: لاءِ نفی جنس کا اسم مرفوع کب ہوگا؟

لاء کا اسم نکرہ نہ ہو بلکہ معرفہ ہو یا لاء کا اسم لاء کے متصل نہ ہو بلکہ دونوں کے درمیان فصل ہو جائے۔ یا دونوں ہی شرطیں منتفی ہو جائیں تو ان صورتوں میں لاء کے اسم پر ابتداء کی بناء پر رفع واجب ہوگا تو اس وقت تکرار لا دوسرے معرفہ کے ساتھ لانا ضروری ہے اور یہ دونوں لاء عمل نہیں کریں گے۔

اس میں چھ صورتیں ہیں۔ لاءِ نفی جنس کا اسم معرفہ ہو تو اس کی تین صورتیں ہوں گی۔
(۱) معرفہ مفرد ہو (۲) معرفہ مضاف ہو (۳) معرفہ شبہ مضاف ہو۔
اگر لاءِ نفی جنس کا اسم مفصول ہو تو اس کی بھی یہ تین صورتیں ہیں۔
اگر لاء کا اسم معرفہ اور مفصول دونوں ہوں تو اس کی بھی یہی تین صورتیں ہیں۔ یہ کل نو صورتیں ہیں لیکن شبہ مضاف کو مضاف پر قیاس کیا جا سکتا ہے اس لئے شبہ مضاف کی صورتوں کو ترک کر دیا ہے تو چھ صورتیں باقی رہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) لاء کا اسم معرفہ ہو مفصول اور مضاف وشبہ مضاف نہ ہو۔ جیسے " **لا زیدٌ فی الدار ولاعمروٌ** " وقولہ تعالیٰ " **لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولاالیل سابق النهار** " (۲) لاء کا اسم معرفہ مضاف ہو مفصول نہ ہو۔ جیسے " **لاغلام زیدٍ فی الدار ولاعمرو** " (۳) لاء کا اسم مفصول ہو۔ معرفہ اور مضاف وشبہ مضاف نہ ہو۔ جیسے " **لافی الدار رجل ولاعمروٌ** " (۴) مفصول مضاف ہو معرفہ نہ ہو۔ جیسے " **لا فی الدار غلامُ رجل ولا امراۃٍ** " (۵) مفصول ہو اور معرفہ ہو مضاف اور شبہ مضاف نہ ہو۔ جیسے " **لا فی الدار زید ولاعمروٌ** "۔ (۶) معرفہ مضاف اور مفصول تینوں ہوں۔ جیسے " **لا فی الدار غلام زیدٍ ولا عمروٌ** " اس میں غلام کی اضافت زید کی طرف ہے جو معرفہ ہے اس لئے غلام معرفہ ہوگا۔
تو ان چھ (۶) صورتوں میں رفع اور تکرار لاء واجب ہوگا اور یہ رفع مبتداء ہونے کی

بناء پر ہوگا۔ اور تکرار لاء اس لئے ضروری ہے کہ اصل میں لاء نفی جنس۔ جنس کی نفی کے لئے ہوتا ہے اور جنس میں تعدد ہوتا ہے اور تعدد نکرہ میں تو ہوتا ہے نہ کہ معرفہ میں اس لئے معرفہ کی صورت میں لاء کو مکرر لایا جاتا ہے تاکہ تکرار اس تعدد کے قائم مقام ہوجائے اس لئے نکرہ کی صورت میں ہوتا ہے۔

اور اگر لاء کا اسم نکرہ ہو لیکن اسم کے درمیان اور لاء کے درمیان فصل ہوجائے تو اس میں تکرار لا اس لئے ضروری ہے کہ سوال اور جواب میں مطابقت ہوجائے سوال کی صورت یہ ہے۔ " **افی الدار رجلٌ ام امرءۃٌ** " اس کا جواب ہوگا " **لا فی الدار رجل ولاامرءۃٌ** "

سوال میں اسم مکرر ہے اس لئے جواب میں بھی اسم مکرر ہوگا اور جواب نفی کے ساتھ ہے اس لئے تکرار اسم کے ساتھ تکرار لا بھی ہوجائے گا۔

جس طرح نکرہ میں یہ قاعدہ تھا کہ لاء کا اسم اگر نکرہ ہو تو دوسرا لاء بمع اسم کے لانا ضروری ہے اسی طرح قاعدہ معرفہ میں بھی جاری کیا جاسکتا ہے۔ تاکہ سوال وجواب میں مطابقت ہوجائے۔

ابھی یہ قاعدہ بیان کیا گیا کہ لاء کا اسم اگر معرفہ ہو تو تکرار لاء بمع اسم لانا ضروری ہے تو یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے شاعر کے اس قول سے۔

" **قَضِیَّۃٌ لا اَبَا حَسَنٍ لھا** " اس مثال میں لاء کا اسم معرفہ ہے کیونکہ ابا حسن حضرت علیؓ کی کنیت ہے حالانکہ نہ مرفوع ہے اور نہ لاء مکرر ہے۔

مصنفؒ نے فرمایا " **ومثل قضیّۃ لا ابا حسنٍ لھا** " میں تاویل کرلی جائے گی اور تاویل نکرہ کی ہوگی اور اس کی تاویل دو طریقوں پر ہے۔

(۱) اس سے پہلے لفظ مثل محذوف ہے اور لفظ مثل میں ابہام کثیر پائے جانے کی وجہ سے معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود یہ معرفہ نہ ہوگا۔

(۲) یہاں حضرت علیؓ کی کنیت مراد نہیں ہے بلکہ اس سے حضرت علیؓ کا وصف مشہور

یعنی فیصل (فیصلہ کرنے والا) مراد ہے کیونکہ حضرت علی حق کے ساتھ فیصلہ کرنے میں مشہور تھے اور جب وصف مراد ہے تو علم نہ رہا اور جب علم نہ رہا تو معرفہ کیا ہوگا۔اس تاویل کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اباحسن کو لام کے ساتھ نہیں لائے یعنی "ابا الحسن" نہیں کہا اس سے معلوم ہوا کہ اس میں تنوین تنکیر کے لئے ہے یعنی کوئی فیصلہ کرنے والا ہو۔

وفی مثل لاحول ولاقوة الا بالله خمسة اوجه الخ.

یہاں مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں لا بر سبیل عطف مکرر ہو اور ہر ایک لاء کے بعد نکرہ ہو بغیر فصل کے۔تو ایسی ترکیب میں پانچ صورتیں باعتبار لفظ کے جائز ہیں۔

(۱) دونوں اسموں پر فتح ہو۔اور لا دونوں جگوں میں لاء نفی جنس کے لئے ہوگا، لاء کا اسم قریب بھی ہو نکرہ بھی اور مفرد بھی تو اس وقت مبنی برفتح ہوگا۔جیسے "**لاحول ولاقوة الا بالله**"

ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں۔(۱) ہر ایک اسم کے لئے الگ الگ خبر محذوف ہوگی تو پھر دو جملے ہوں گے۔تقدیر عبارت یہ ہوگی۔" **لاحولَ موجودٌ ولاقوةَ موجودٌ الا بالله**"

(۲) دونوں اسموں کے لئے ایک خبر محذوف ہوگی تو اس وقت تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ جیسے "**لاحولَ وَلاقوةَ مَوجود ان اِلَّا بالله**"

(۲) دونوں اسموں پر رفع ہو تو یہ برائے موافقت سائل کے سوال کے لئے ہوگی ۔جیسے " **اَحَوْلٌ وقوّةٌ موجودان بغير الله** " تو آپ نے جواب میں کہا" **لاحُولٌ ولاقوةٌ الا بالله**"

اس جگہ میں دونوں لاء ملغی ہیں کوئی عمل نہیں کریں گے اور اس میں جو مرفوع ہے وہ بناء بر مبتدائیت ہے۔

(۳) اوّل اسم برفتح ہو اور ثانی اسم بر رفع ہو اول صورت میں لاء نفی جنس کا شمار ہوگا اور اس لا کا اسم لاء کو قریب نکرہ مفرد ہو تو مبنی برفتح ہوگا اور دوسرا لاء زائدہ ہوگا اور تاکید کے لئے برائے اوّل کے اور دوسرے لاء کے اسم عطف ہے محل بعید پر اوّل لاء کے اسم پر جو کہ مرفوع

ہے بناء برابتداء۔ جیسے "لاحولَ ولاقوۃً الا باللہ"

(۴) اول کافتحہ اور ثانی نصب۔ جیسے " لاحولَ و لاقوۃً الا باللہ" لاء کا اسم مفتوح ہوگا جب اسم قریب نکرہ مفرد ہوتو مبنی برفتحہ ہوگا اور ثانی لاء کا اسم منصوب ہوگا اور لاء زائدہ شمار ہوگا۔ جیسے " لاحولَ و لاقوۃ الا باللہ"

(۵) اول کا رفع اور ثانی کے فتحہ کی تشریح گزر چکی ہے۔ جیسے " لاحولٌ ولاقوۃَ الا باللہ "

وضعف وجہ رفع الاول الخ:

پانچویں صورت میں اول کا رفع ضعیف ہے اس کی دو توجیہی ہیں ایک توجیہی مصنفؒ بیان فرمائیں گے اور دوسری توجیہی شارحؒ ذکر کریں گے۔

مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ ضعیف اس وجہ سے ہے کہ لاء بمعنی لیس ہے اور لاء لیس کے معنی میں کم آتا ہے اس وجہ سے رفع ضعیف ہوگا۔

شارحؒ مصنف کی توجیہی کو رد فرما رہے ہیں کہ اول بر رفع لاء مشابہ بلیس کی وجہ سے ہو بلکہ یہ بھی تو احتمال ہے کہ لاء چونکہ مکرر ہے اس وجہ سے لاء ملغی ہو اور اول پر رفع مبتداء ہونے کی وجہ سے ہو۔

چوتھی بات: لاء نفی جنس پر اگر ہمزہ داخل ہو جائے تو کیا لاء کے عمل پر کوئی اثر پڑے گا۔

لاء نفی جنس پر اگر ہمزہ داخل ہو جائے تو اس کی وجہ سے لاء کے عمل پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے جیسا تھا داخل ہونے کے بعد بھی وہی رہے گا۔

البتہ معنی میں تغیر ہوگا وہ یہ ہے کہ ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد یا تو استفہام کے معنی یا عرض کے یا تمنی کے معنی ہوں گے۔

استفہام۔ جیسے " الا رجل فی الدار" عرض۔ جیسے " الا نزول عندی" ۔
تمنی۔ جیسے "لاماء اشربہ"

ان قواعد میں سیبویہؒ کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ سیبویہؒ سے کچھ مذکور ہی نہیں اس لئے مصنفؒ پر عدم اتباع کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔

الا رجلاً جزاہُ اللہ خیراً:

اس مثال میں جو لاء ذکر ہے یہ خلیلؒ کے نزدیک وہ لا نہیں ہے جس پر ہمزہ استفہام داخل ہے بلکہ یہ مستقل حرف ہے جو تخصیص کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

یونس نحوی کے نزدیک یہ لاء نفی جنس ہے جس پر ہمزہ استفہام داخل ہے اور معنی اس کے تمنی کے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس صورت کے عمل میں کوئی تغیر نہ ہونا چاہیے جیسا کہ مصنفؒ نے بیان کیا ہے لیکن ضرورت شعری کی وجہ سے اس پر تنوین آ گئی اور ایسی ضرورت میں تو بہت سے احکام میں تغیر ہو جاتی ہے۔

والمبنی فی قوله ونعت المبنی اشارة الخ

پانچویں بات: لاء نفی جنس کا اسم مبنی ہو تو اس کی صفت کیا ہو گی؟

اگر لاء نفی جنس کا اسم مبنی ہو تو اس کی صفت مفرد ہو گی اور اسم لاء کے متصل ہو تو اس وقت اس صفت پر تین وجہیں جائز ہیں۔

(۱) فتحہ پر مبنی ہو حملاً علی لفظه۔ (۲) معرب ہو اور مرفوع ہو حملاً علی محله البعید (۳) معرب ہو اور منصوب ہو حملاً علی محله القریب۔ جیسے "لا رجل ظریف وظریفٌ وظریفًا" یہ مثال بیان کردہ مذکورہ کی مثال ہے۔ اس لئے اس کو مبنی برفتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں اور معرب مرفوع اور منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں، جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہے۔

والا ای وان لم یکن النعت لک فالاعراب الخ

اور اگر لاء کے اسم کی صفت میں قیود مذکورہ نہ پائی جائیں تو پھر اس کی صفت معرب ہو گی۔ تو اس کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) معرب کی صفت ہو۔ (۲) پہلی صفت نہ ہو۔ (۳) مضاف یا شبہ مضاف ہو (۴) غیر متصل ہو۔ معرب کے بعد خواہ اس کو مرفوع پڑھا جائے

اس صورت میں لاء کے اسم کے محل بعید پر حمل ہوگا یا اس کے لفظ اور محل قریب پر حمل کر کے اس صفت کو منصوب پڑھا جائے۔

لاء نفی جنس کے اسم مبنی پر عطف کرنا جائز ہے کیونکہ جب معطوف نکرہ ہو اور لاء مکرر نہ ہو۔ تو معطوف میں دو وجہیں جائز ہیں۔(۱) نصب جب کہ عطف لاء کے اسم کے لفظ پر ہو۔(۲) رفع جب کہ اسم کے محل بعید پر عطف کیا جائے تو ان دونوں صورتوں میں معطوف معرب رہیگا مبنی نہیں ہوسکتا کیونکہ متبوع اور تابع کے درمیان واؤ عاطفہ ہے جس کی وجہ سے فصل واقع ہوگئی اور مبنی ہونے کے لئے تابع اور متبوع کے درمیان اتصال ضروری ہے۔ جیسے قول الشاعر:

لا اب وابن مثل مروان وابنه　　اذا هو بالمجد ارتدى وتأزرا

یہ عطف مذکور کی مثال ہے۔اس میں ابن کا عطف لاء کے اسم یعنی اب پر اگر باعتبار لفظ کے ہو تو اس پر نصب ہوگا اور اگر باعتبار محل کے ہو تو اس پر رفع آیگا، یعنی لفظ ابن میں ابناً اور ابن دونوں جائز ہیں۔

وسائر التوابع لانص عنهم فيها الخ:

مصنفؒ نے لاء نفی جنس کے اسم کے دو تابع یعنی صفت اور عطف کا بیان کیا ہے، باقی تین تابع تاکید، بدل، عطف بیان کو اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ نحویوں نے اس کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کی اس لئے مصنفؒ نے سکوت اختیار کیا ہے۔

مصنفؒ نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ لاء کا اسم اگر نکرہ مفرد ہو تو وہ علامت نصب پر یعنی فتحہ پر مبنی ہوتا ہے اور لا اباً له اور لاغلامي له نکرہ مفرد ہے۔ پھر بھی فتح پر مبنی نہیں ہے بلکہ منصوب ہے۔ ابًا الف کے ساتھ ہے اور غلامي یا ماقبل مفتوح کے ساتھ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جیسی ترکیب میں لاء نفی جنس کا اسم اگرچہ مضاف نہیں ہے، لیکن اس کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دیکر اس پر اضافت کے احکام جاری کیے گئے ہیں کیونکہ اس اسم کو مضاف کے ساتھ اس کے اصل معنی یعنی اختصاص میں شرکت ہے۔

"او المعنی ان مثل لاابًا له الخ" سے ہرایسی ترکیب مراد ہے جس میں لاءنفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافۃ ہواور لاء کے اسم پر اضافۃ کے احکام جاری ہوں یعنی اب اوراس کے مثل میں الف ہواور غلامیں جیسے اسم میں نون کو حذف کر دیا جائے غلامین سے تثنیہ اور جمع دونوں مراد ہیں۔

"ومن لم یجز لاابًا فیھا الخ" یہ مثال جائز نہیں ہے کیونکہ لاابًا لہ اور لاغلامی لہ میں باپ کوابن کے لحاظ سے اور غلام کو مولا کے اعتبار سے جو خصوصیت مفہوم ہوتی ہے وہ اب کو دار کے اعتبار سے نہیں ہے، لہٰذا مضاف کے ساتھ اختصاص میں شرکت نہ ہوئی اس لئے یہ ترکیب جائز نہیں ہے۔

"لاابالہ اور لاغلامی لہ" اس جیسی ترکیب کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس لئے یہ دونوں ترکیبیں مضاف کے ساتھ مشابہ ہوئیں حقیقۃ مضاف نہیں ہوئیں کیونکہ جو معنی اس جیسی ترکیب سے مقصود ہیں وہ اضافت حقیقۃ کی صورت میں فوت ہو جائیں گے یہ مطلب نہیں کہ سرے سے معنی ہی فاسد ہو جائیں گے۔

اس میں اختلاف ہے سیبویہ خلیلؒ اور جمہور نحاۃ لیکن ان میں مشہور سیبویہؒ ہے اس وجہ سے ان کا نام لکھا ہے۔

سیبویہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس جیسی ترکیب میں حقیقۃ اضافت پائی جاتی ہے۔

چھٹی بات: لاءنفی جنس کا اسم کب حذف کیا جاتا ہے:

جب قرینہ موجود ہو تو لاء کے اسم کو حذف کرنا جائز ہے۔ جیسے لاعلیک اصل میں تھا لاباس علیک باس کو حذف کر دیا گیا، حذف کا قرینہ یہ ہے کہ لاحرف ہے علیک میں علی جارہ بھی حرف ہے تو حرف حرف پر داخل نہیں ہو سکتا معلوم ہوا کہ لاء کا اسم محذوف ہے۔

(۱۲) خبر ما ولا المشبھتین بلیس ھو المسند بعد دخولھا الخ

منصوبات کی بارھویں قسم ما ولا المشبھتین بلیس ہے۔

ماولا مشابہ بلیس میں چار چیزیں مطلوب ہیں۔
(۱) ماولا مشابہ بلیس کی تعریف (۲) ماولا کی مشابہت لیس کے ساتھ کتنی چیزوں میں ہے۔
(۳) اہل حجاز اور بنوتمیم کا اختلاف کس میں ہے؟ (۴) ماولا کا عمل کب باطل ہو جاتا ہے؟

پہلی بات: ماولا مشابہ بلیس کی تعریف:

ماولا مشبہتین بلیس کی خبر وہ ہے جو مسند ہو ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد۔ جیسے "مازیدٌ قائمًا ولا رجلٌ حاضراً"

دوسری بات: ماولا کی مشابہت لیس کے ساتھ کتنی چیزوں میں ہے؟

ما و لا لیس کے ساتھ مشابہ ہے دو (۲) چیزوں میں جن کی وجہ مرفوعات میں گزر چکی ہے۔

تیسری بات: اہل حجاز اور بنوتمیم کا اختلاف کس میں ہے؟

اہل حجاز اور بنوتمیم کا اختلاف ما اور لا کے عمل کرنے میں ہے۔
اہل حجاز کے نزدیک یہ دونوں عامل ہیں انہی کی تائید قرآن پاک سے ہوتی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "ما ھذا بشراً، وما ھُن أمھاتِھِمْ" ان دومثالوں میں ہذا اور ھُنَّ یہ دونوں ما کا اسم ہیں اور مبنی ہیں اور بشراً و امھاتھم یہ دونوں ما کی خبر ہیں اور ان پر نصب ہے اگر ما عامل نہیں ہے تو ان پر نصب کیوں آیا۔
بنوتمیم کے نزدیک یہ دونوں عامل نہیں ہے بلکہ ان کے اسم اور خبر پر رفع آتا ہے، یعنی ما ولا کے داخل ہونے سے پہلے جس طرح وہ دونوں مبتداء اور خبر تھے ان کے داخل ہونے کے بعد بھی مبتداء اور خبر ہوں گے اور لا کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

(۴) چوتھی بات: ما اور لا کا عمل کب باطل ہو جاتا ہے:

ما اور لا کا عمل تین صورتوں میں باطل ہو جاتا ہے۔
(۱) جب ما کے ساتھ لفظ اِنْ زائد ہو جائے۔ جیسے "ما اِنْ زیدٌ قائمٌ" اور یہ اِنْ

بصریین کے نزدیک زائد ہے اور ما نافیہ کی تاکید کے لئے ہے اور کوفیین کے نزدیک یہ اِنْ زائدہ نہیں ہے۔ بلکہ نافیہ ہے اور ما کی تاکید کے لئے ہے۔

اس صورت میں بطلان عمل کی وجہ یہ ہے کہ ما عامل ضعیف ہے جب اس کے اور اس معمول کے درمیان اِنْ کا فاصلہ آ گیا تو عمل بوجہ ضعف کے باطل ہو گیا۔

(۲) ما اور لا کی خبر الا کے بعد واقع ہو۔ جیسے " **ما زیدٌ اِلّاَ قائمٌ ، لا رجلٌ اِلّاَ افضل مِنکَ** " ان مثالوں میں ما و لا کی خبر الا کے بعد واقع ہے لہٰذا عمل باطل ہوا، قائمٌ اور افضل منصوب نہیں ہوں گے بلکہ مبتداء کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوں گے۔

(۳) ما کی خبر اسم پر مقدم ہو جائے۔ جیسے " **ما قائمٌ زیدٌ** " اس صورت میں بطلان عمل کی وجہ یہ ہے کہ ما و لا ضعیف عامل ہیں یہ اس وقت عمل کریں گے جب دونوں معمول ترتیب کے ساتھ واقع ہوں جب ترتیب بدل گئی تو عمل باطل ہو گیا۔

واذا عطف علیه ای علی اخبرهما بموجب فالرفع الخ:

اگر ما و لا کی خبر پر کسی اسم کا عطف ایسے حرف کے ذریعہ کیا جائے جو ایجاب کا فائدہ دیتا ہو تو معطوف میں صرف رفع آئے گا اور اس قسم کے دو حرف ہیں۔(۱) بل (۲) لکن۔ تو یہ دونوں اپنے مابعد کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں یعنی الا کی طرح ان سے بھی نفی کے معنی ٹوٹ جاتے ہیں۔ جیسے " **مازیدٌ مقیماً بل مسافر** " **وما عمرو قائمًا ولکن قاعدٌ** " ان دونوں میں ان کے مابعد کا عطف خبر کے محل پر ہے اور وہ ما اور لا کے دخول سے پہلے مبتداء کی خبر تھی اس لئے اس کے محل پر عطف کی وجہ سے معطوف پر رفع آئے گا۔

❁❁❁❁❁

بحث فی بیان المجرورات

مباحث ثالثہ میں سے تیسری بحث مجرورات میں ہے۔

جس طرح مرفوعات اور منصوبات میں ترکیب کے احتمال تھے وہی احتمال مجرورات میں بھی ہیں ہرایک کی وجہ مرفوعات میں دیکھ لی جائے، مرفوعات جس طرح مرفوع کی جمع ہے نہ کہ مرفوعۃ کی اسی طرح مجرورات بھی مجرور کی جمع ہے نہ کہ مجرورۃ کی اس کی وجہ بھی وہاں دیکھ لیں۔

اسماءَ مجرورہ صرف مضاف الیہ ہے جب اسمائے مجرورہ صرف مضاف الیہ ہے تو جمع کا صیغہ کیوں لائے اس لئے لایا گیا کہ مجرور مضاف الیہ کی انواع واقسام زیادہ ہیں۔

مجرورات میں چھ چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) مجرور کی تعریف (۲) مضاف الیہ کی تعریف (۳) اضافت کی قسمیں اوران کی تعریف (۴) ولا یضاف موصوف الی صفت الخ سے کیا بیان کررہے ہیں (۵) واذا اضیف الاسم الصحیح الخ عبارت کا مطلب کیا ہے؟ (۶) اسمائے ستہ کے احوال کیا ہیں؟

(۱) پہلی بات: مجرور کی تعریف:

هو ما اشتمل علی علم المضاف الیه الخ

مجرور وہ اسم ہے جو مضاف الیہ ہونے کی علامت پر مشتمل ہو اس حیثیت سے کہ وہ مضاف الیہ ہے مضاف الیہ ہونے کی علامت جر ہے خواہ جر کسرہ کے ساتھ ہو۔ جیسے "غلام زیدٍ" یا فتحہ کے ساتھ ہو۔ جیسے "غلام احمدَ" یا یاء کے ساتھ ہو۔ جیسے "غلام اخی" پھر کسرہ اور فتحہ اور یاء میں عموم ہے لفظاً ہو یا تقدیراً ہو۔ کسرہ لفظی جیسے "مررت بمسلماتٍ" کسر تقدیری۔ جیسے "مررت بفتی" فتحہ لفظی جیسے "رایت احمد" فتحہ تقدیری۔ جیسے "رایت فتی" یا لفظی۔ جیسے "مررت بابیک" یا تقدیری۔ جیسے "مررت بابی القوم"

(۲) دوسری بات: مضاف الیہ کی تعریف:

والمضاف الیه کل اسمٍ نُسِبَ الیه شیٌ الخ

مضاف الیہ ہر وہ اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی گئی ہو بواسطہ حرف جر کے خواہ وہ حرف جر ملفوظ ہو۔ جیسے " مررت بزید " یا وہ حرف جر مقدر ہو لیکن وہ مراد ہو یعنی اس کا اثر باقی ہو۔ جیسے " غلام زیدٍ " اصل میں "غلامٌ لزیدٍ " تھا غلام کی نسبت زید کی طرف بواسطہ حرف جر مقدر (لام) کے ہے۔ مگر وہ مراد ہے کیونکہ اس کا اثر جو کہ جر ہے وہ زید میں باقی ہے اس کو نحویوں کے اصطلاح میں مضاف مضاف الیہ کہتے ہیں۔ اور حرف جر کی تقدیر کے لئے یہ شرط ہے کہ مضاف ایسا اسم ہو جو اضافت کی وجہ سے تنوین اور قائم مقام تنوین یعنی نون تثنیہ اور نون جمع سے خالی ہو اگر مضاف اسم نہ ہو بلکہ فعل ہو یا شبہ فعل ہو تو پھر حرف جر مقدر نہ ہوگا بلکہ ملفوظ ہوگا۔ جیسے " مررت بزید " میں بزید مضاف الیہ ہے اور مررت مضاف ہے چونکہ یہ فعل ہے اس واسطے باء کا لفظوں میں ہونا ضروری ہے اسی طرح "انا مارٌ بزیدٍ " میں مارٌ شبہ فعل ہے اور زید کی طرف مضاف ہے اس لئے یہاں بھی باء کا لفظوں میں ہونا ضروری ہے۔

تنوین اور قائم مقام تنوین سے خالی ہونا اس لئے ضروری ہے کہ تنوین اور قائم مقام تنوین کلمہ کے تمام ہونے کی علامت ہے اور یہ بتلاتی ہے کہ اس کلمہ کا اپنے مابعد کے ساتھ تعلق نہیں یعنی انفصال پر دلالت کرتی ہیں اور مضاف کا مضاف الیہ سے اتصال ہوتا ہے مضاف مضاف الیہ کے بغیر تام نہیں ہوتا لہٰذا مضاف کا تنوین اور قائم مقام تنوین سے خالی ہونا ضروری ہے۔ جیسے " غلام زید " اصل میں "غلامان زیدٍ" تھا اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ گر گیا اور اسی طرح مسلمو اصل میں مسلمون تھا اضافت کی وجہ سے نون جمع گر گیا۔

وهی معنویة ولفظیة فالمعنویة ان یکون المضاف غیر صفةٍ الخ

تیسری بات: اضافت کی قسمیں اور اُن کی تعریفیں:

اضافت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) معنویہ (۲) لفظیہ

اضافت معنویہ کی تعریف:

اضافت معنویہ وہ ہے کہ جس میں مضاف ایسا صیغہ صفت نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو۔

صیغہ صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل ہیں، اور معمول سے مراد فاعل، اور مفعول بہ ہیں۔ اس جگہ دو صورتیں بنتی ہیں۔

اول صورت:۔ یہ کہ مضاف صیغہ صفت نہ ہو اور نہ مضاف الیہ معمول ہو۔ جیسے "غلام زید" اس میں غلام نہ اسم فاعل اور نہ اسم مفعول وغیرہ ہے۔

دوسری صورت: مضاف صیغہ صفت تو ہو لیکن مضاف الیہ معمول نہ ہو۔ جیسے "کریم البلد" اس میں کریم صیغہ صفت تو ہے مگر البلد مضاف الیہ نہ فاعل ہے نہ مفعول بہ بلکہ ظرف اور مفعول فیہ ہے۔

پھر اضافت معنویہ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) بمعنی اللام (۲) بمعنی مِن (۳) بمعنی فی

پہلی صورت

اضافت بمعنی اللام کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس میں سے ہو اور نہ مضاف کے لئے ظرف ہو۔ جیسے "غلام زید اصل میں غلام لِزید" تھا چونکہ اس میں لام مقدر ہے اس لئے اس کو اضافت بمعنی اللام کہتے ہیں، اس کو اضافت لامیہ بھی کہتے ہیں۔

دوسری قسم اضافت بمعنی مِنْ: وہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف کے لئے جنس ہو یعنی اپنے مضاف وغیر اور مضاف الیہ دونوں پر صادق ہو۔ جیسے "خاتم فضة" اصل میں "خاتم مِنْ فِضَّةٍ" تھا چونکہ اس میں مِنْ مقدر ہے اس لئے اس کو اضافت بمعنی مِنْ کہتے ہیں۔ اور اس کو اضافت منیہ اور بیانیہ بھی کہتے ہیں۔

تیسری قسم اضافت بمعنی فِیْ: وہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف کے واسطے ظرف واقع ہو خواہ ظرف زمان ہو یا ظرف مکان ہو۔ جیسے "صلوٰة اللیل" اصل میں "صلوٰة فی اللیل" تھا چونکہ اس میں فی مقدر ہے اس لئے اس کو اضافت بمعنی فی کہتے ہیں اور اس کو

اضافت فویہ اورظرفیہ بھی کہتے ہیں۔

اضافت معنویہ کا فائدہ:

وتفيد تعريفا وتخصيصاً مع النكرة الخ.

اضافت معنوی تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ اگر مضاف الیہ معرفہ ہے تو مضاف معرفہ ہو جائے گا۔ جیسے " غـلام زيـدٍ " اس میں غلام نکرہ تھا زید معرفہ کی طرف اضافت کرنے سے غلام بھی معرفہ ہوگیا اگر مضاف الیہ نکرہ ہے تو مضاف میں تخصیص پیدا ہو جائیگی یعنی مضاف پہلے بہت سے افراد کو شامل تھا اب تھوڑے افراد کو شامل ہوگا۔ جیسے " غلام رجل " اس میں غلام نکرہ عام تھا مرد کا غلام ہو یا عورت کا رجل نکرہ کی طرف اضافت سے اس میں تخصیص آگئی افراد کم ہو گئے، اب صرف مرد کے غلام کو شامل ہوگا۔

وشرطها تجريد المضاف من التعريف الخ :

اضافت معنویہ کے لئے شرط یہ ہے کہ مضاف اگر معرفہ ہو تو اس کو تعریف سے خالی کرنا ضروری ہے اور اگر مضاف معرف باللام ہے تو لام کو حذف کر دیا جائے اور اگر مضاف علم ہے تو اس کو نکرہ کر لیا جائے۔

مضاف کو تعریف سے خالی کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر تعریف سے مضاف کو خالی نہ کیا جائے معرفہ ہی رکھا جائے تو اس کا مضاف الیہ معرفہ ہوگا یا نکرہ اگر مضاف الیہ معرفہ ہے تو تحصیل حاصل لازم آئے گا کیونکہ مضاف کے معرفہ ہونے کی وجہ سے تعریف تو پہلے ہی سے موجود تھی، اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہے تو اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنی کی تحصیل لازم آتی ہے کیونکہ مضاف کے معرفہ ہونے کی وجہ سے تعریف اس کو حاصل ہے اس کے بعد بھی مضاف الیہ نکرہ سے تخصیص حاصل کرنے کی ہو رہی ہے۔

فـان قيـل لافـرق بيـن اضـافة الـمـعـرفة وبين جعلها علمًا فى نحو النجم والثريا والصعق وابن عباس الخ

اس عبارت کی تقریر یہ ہے کہ جس طرح معرفہ کو معرفہ کی طرف مضاف کرنے میں

تحصیل حاصل لازم آتی ہے اسی طرح معرفہ کوعلم کی طرف مضاف کرنے میں تحصیل حاصل کیوں لازم نہیں آتی ہے۔معرفہ کی اضافت معرفہ کی طرف نا جائز ہے اور معرفہ کی اضافت علم کی طرف جائز ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مثالوں میں تعریف المعرف نہیں بلکہ زوال تعریف وحصول تعریف آخر ہے مطلب یہ ہے کہ علمیت سے پہلے جو تعریف کی صورت تھی مثلاً "النجم ، الثریا ، الصعق میں الف لام کی وجہ سے اور ابن عباس میں اضافت کی وجہ سے یہ صورت علمیت کے وقت میں ضائع ہوگئی اب صرف علمیت کی وجہ سے جو تعریف حاصل ہوئی ہے وہ باقی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہاں دو تعریفیں جمع نہیں ہوئیں بلکہ ایک تعریف کے زائل ہونے کے بعد دوسری تعریف حاصل ہوئی ہے۔

وما اجازه الكوفين الثلثة الاثواب الخ

اس عبارت میں کوفیین کا مسلک بیان ہورہا ہے کوفیین فرماتے ہیں کہ عدد اگر مضاف ہوتو اس کو حرف تعریف سے خالی ہونا ضروری نہیں ہے۔جیسے " الثلثة الاثواب، الخمسة الدراهم ، المائة الدينار" وغیرہ ان مثالوں میں عدد معرف بالام ہے اور مضاف ہے اور الف لام حرف تعریف ہے مضاف کو اس سے خالی نہیں کیا گیا۔مصنفؒ نے فرمایا کہ ضعیف قیاسًا واستعمالاً الخ

مصنفؒ نے کوفیین کے مسلک کو رد کیا ہے کیونکہ یہ مسلک نہ قیاسًا صحیح ہے اور نہ استعمال کے اعتبار سے درست ہے۔قیاس کے اعتبار سے درست اس لئے نہیں ہے کہ اس میں تحصیل حاصل لازم آتی ہے جو پہلے معلوم ہوچکی ہے اور استعمال کے اعتبار سے درست اس لئے نہیں ہے کہ یہ استعمال غیر فصیح ہے فصحاء کے کلام میں عدد کی اضافت کے وقت یہ الف لام سے خالی ہے چنانچہ ذوالرمہ کا قول ہے۔" ثلاث الاثافی والدیار البلاقع"، اس میں ثلاث عدد ہے اور الف لام سے خالی ہے۔

واما جاء في حديث من قوله عليه السلام بالالف الدينار الخ:

اور جو آپ ﷺ کے قول میں عدد معرف بالام مضاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بالالف

الدینار میں الالف یہ مضاف نہیں ہے بلکہ مبدل منہ ہے اور الدینار اس سے بدل ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ یا یہ کہا جائے کہ الدینار الالف کا عطف بیان ہے بہر حال مضاف نہیں ہے۔

والاضافة اللفظية ان يكون صفة الخ

اضافت معنویہ اصل ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا ہے اب اضافت لفظیہ کو بیان کررہے ہیں۔

اضافت لفظیہ کی تعریف:

اضافت لفظیہ وہ ہے کہ جس میں مضاف ایسا صیغہ صفت ہو جو اپنے معمول فاعل یا مفعول بہ کی طرف مضاف ہو۔ جیسے " ضاربُ زیدٍ" ضارب اسم فاعل ہے زید مفعول بہ کی طرف مضاف ہے،" وحسن الوجه"حسن صفت مشبہ مضاف ہے الوجہ فاعل کی طرف الوجہ لفظوں کے اعتبار سے مجرور مضاف الیہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے فاعل ہے۔

ولا تفيد الا تخفيفًا فى اللفظ الخ

اضافت لفظیہ کا فائدہ: اضافت لفظیہ صرف لفظ میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے پھر تخفیف کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) تخفیف صرف مضاف میں ہوگی بایں طور کہ مضاف سے تنوین گر جائیگی۔ جیسے " ضاربُ زیدٍ " یا نون تثنیہ گر جائیگا۔ جیسے " ضاربا زیدٍ " یا نون جمع گر جائیگا۔ جیسے " ضاربو زیدٍ" وقولہ تعالیٰ "نا کسو رؤسهم"

(۲) یا تخفیف مضاف الیہ میں ہوگی کہ مضاف الیہ سے ضمیر حذف ہو کر مضاف میں مستتر ہوگی۔ جیسے " القائمُ الغُلامِ " اصل میں "القائم غُلامه" تھا مضاف سے تنوین الف لام کی وجہ سے ہی گر گئی اضافت کی وجہ سے غلامہ سے ضمیر حذف ہو کر القائم میں مستتر مان لی گئی۔

(۳) یا تخفیف دونوں میں ہوگی کہ مضاف سے تنوین وغیرہ گر جائیگی اور مضاف الیہ سے ضمیر حذف ہوگی۔ جیسے " حسن الوجه"اصل میں " حَسَنٌ وجهه " تھا اضافت

سے حسن کی تنوین گر گئی اور وجہہ مضاف الیہ سے ضمیر حذف ہوگئی اس ضمیر کے عوض وجہ پر الف لام لایا گیا۔

جب اضافت لفظیہ صرف لفظ میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اس وجہ سے "مررت برجل حسن الوجه" جائز ہے اور اس میں حسن رجل کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان مطابقت ضروری ہے موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ ہو اور حسن الوجہ میں اضافت لفظیہ کی وجہ سے تخفیف ہے یہ معرفہ نہیں بلکہ حسن۔ جیسے اضافت سے پہلے نکرہ تھا اب بھی نکرہ ہے اس لئے رجل میں نکرہ کی صفت واقع ہونا صحیح ہے۔

اسی طرح" الضاربا زید" اور" الضاربو زید" جائز ہے کیونکہ اول مثال میں نون تثنیہ اور ثانی مثال میں نون جمع کے ساقط ہو جانے سے تخفیف حاصل ہوگئی ہے۔

دو مثالیں پیش کی جارہی ہیں وہ ناجائز ہیں۔(۱) " مررت بزیدٍ حسن الوجه " (۲)" الضارب زیدٍ" پہلی مثال میں موصوف زید معرفہ ہے اور صفت حسن الوجہ نکرہ ہے تو موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں ہوئی۔

دوسری مثال میں تنوین الضارب الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اس میں اضافت کو دخل نہیں۔

خلافاً للفراء فانه یجوز ترکیب" الضارب زید"الخ

اس میں فراء کا اختلاف ہے: ان کے نزدیک اس کے جواز کی تین وجوہ ہیں۔

(۱) "الضارب زیدٍ" میں الف لام اضافت کے بعد داخل کیا گیا ہے پہلے " ضارب زیدٍ" اضافت کے ساتھ تھی اور اضافت کی وجہ سے ضارب سے تنوین ساقط ہوگئی تھی لہٰذا یہ ترکیب صحیح ہوگی۔

(۲) فراءؒ نے "الضارب زید "جیسی ترکیب اَعشیٰ کے قول میں دیکھی اس سے ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ جب اتنے بڑے شاعر نے اپنے کلام میں ایسی ترکیب کو اختیار کیا ہے تو اس کو ناجائز کیسے کہا جائے۔اَعشیٰ کی عبارت یہ ہے۔ " الواهب المأة الهجان وعبدها"

اس مثال میں عبدها کا عطف المأة پر ہے اس کی طرف الواهب اضافت لفظیہ کے

ساتھ مضاف ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ کا جو عامل ہوتا ہے وہی معطوف کا بھی ہوتا ہے اس لئے الواھب کی اضافت عبدھا کی طرف جائز ہے تو الضارب زیدٍ کو بھی جائز ہونا چاہئے۔

(۳) فراء نے "الضارب زیدٍ" کو "الضارب الرجل" اور "الضاربک" پر قیاس کیا ہے کہ جب یہ دونوں ترکیبیں جائز ہیں تو "الضارب زیدٍ" بھی تو ان کے مشابہ ہے اس کو بھی جائز ہونا چاہئے۔

مصنفؒ تینوں دلیلوں کے جواب دے رہے ہیں۔

(۱) جواب:

فراءؒ کا وہم درست نہیں ہے کیونکہ الف لام مقدم ہے اور اضافت اس کے بعد ہوتی ہے پھر بھی اس کو مؤخر کہنا کیسے درست ہوگا۔

(۲) جواب:

مصنفؒ نے اپنے قول وضعف سے جواب دیا ہے کہ "الضاربُ زیدٍ" میں اضافت کی وجہ سے تخفیف حاصل نہیں ہوئی جو مفاد ہے اضافت لفظیہ کا اس لئے ناجائز ہے اور جب یہ ناجائز ہے تو اس کا مماثل الواھب عبدھا بھی ناجائز ہے۔ لہٰذا فراءؒ کا استدلال صحیح نہیں۔

(۳) جواب:

مصنفؒ نے کہا کہ "الضارب الرجل" یہ محمول ہے "الحسن الوجہ" کی مختار وجہ پر وہ یہ ہے کہ "الضارب" اور "الحسن" دونوں صفت کے صیغے ہیں اور معرف باللام ہیں اور مضاف الیہ میں شرکت اس طرح ہے کہ الرجل اور الوجہ دونوں اسم جنس ہیں اور معرف باللام ہیں اور الضارب زید میں یہ بات نہیں۔

کیونکہ اس میں مضاف الیہ زید ہے اور وہ نہ اسم جنس ہے اور نہ معرف باللام ہے۔ اور فراء نے جو "الضارب زیدٍ" کو الضاربک پر قیاس کیا یہ قیاس صحیح نہیں ہے اس لئے کہ الضاربک کے بارے میں جمہور نحاۃ کا مسلک یہ ہے کہ الضاربک میں اضافت نہیں ہے بلکہ الف لام بمعنی الذی ہے۔ اور ضارب اسم فاعل ضرب فعل معروف کے معنی میں ہے اور

کاف ضمیر مفعول بہ ہے اور یہ بات "الضارب زید" میں نہیں ہے لہٰذا اس مسلک کی بناء پر "الضارب زید" کو الضاربک پر قیاس کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

خلاصہ بحث کا یہ ہوا کہ "الضارب زید" سے تنوین الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافت کی وجہ سے نہیں اور جب اضافت لفظیہ کا مفاد اس میں حاصل نہیں تو یہ ترکیب ناجائز ہوگی۔ یہ مصنفؒ اور جمہور نحاۃ کا مسلک ہے۔ فراءؒ کے نزدیک یہ ترکیب جائز ہے اور اس کے جواز پر تین وجوہ سے استدلال کیا ہے۔(۱) استدلال ان کا الواهب المائة الهجان وعبدها سے ہے۔(۲) أعشیٰ کا قول ہے (۳)"الضارب الرجل" اور "الضاربک" پر قیاس سے ہے۔

(۴) چوتھی بات: ولایضاف موصوف الی صفت الخ :

اس عبارت سے ایک قاعدہ کلیہ بیان کر رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ترکیب توصیفی سے جو معنی حاصل ہوتے ہیں ان کو باقی رکھتے ہوئے موصوف کو صفت کی طرف مضاف نہیں کر سکتے اس کی چار وجوہ ہیں۔

(۱) موصوف اور صفت کے درمیان اتحاد ہوتا ہے اور مضاف ومضاف الیہ کے درمیان تغایر ہوتا ہے۔

(۲) موصوف اور صفت کا اعراب ایک ہی ہوتا ہے اور مضاف ومضاف الیہ کا اعراب علیحدہ علیحدہ ہے مضاف الیہ ہمیشہ مجرور ہوتا ہے اور مضاف کبھی مرفوع اور کبھی منصوب بھی ہوتا ہے۔

(۳) موصوف اپنی صفت سے یا تو خاص ہوتا ہے یا مساوی ہوتا ہے اور مضاف اپنے مضاف الیہ سے یا عام ہوتا ہے یا مبائن

(۴) صفت کا حمل موصوف پر ہوتا ہے اور مضاف الیہ کا حمل مضاف پر نہیں ہوتا، صرف اضافت بیانیہ میں البتہ حمل ہوسکتا ہے۔

بہر حال ترکیب توصیفی کے مفاد کو باقی رکھتے ہوئے اضافت کی کوئی صورت نہیں ہے البتہ ترکیب توصیفی کی صورت میں جو معنی حاصل ہوتے ہیں اس کا لحاظ نہ رکھا جائے تو پھر اضافت ہوسکتی ہے۔

ولهذا المعنى بعينه لاتضاف صفة الى موصوفها الخ.

جن علل مذکورہ کی وجہ سے موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف نہیں ہوتا اسی علل کی وجہ سے صفت کی اضافت موصوف کی طرف نہیں ہوتی لہٰذا نہ تو المسجد الجامع میں " مسجد الجامع " کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس مثال میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے اور نہ قطیفۃٌ جردٌ میں جرد قطیفہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس مثال میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ معنی ہے (پرانی چادر)

خلافاً لكوفية فان مسجد الجامع عندهم الخ.

کوفیین فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں کی اضافت صحیح ہے خواہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو یا صفت کی موصوف کی طرف۔

بصریین نے جو قاعدہ بیان کیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ ان امثلہ میں مسجد الجامع اور "جانب الغربی، صلوة الاولیٰ، بقلة الحمقاء" میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے۔ تو معلوم ہوا ہے کہ آپ کا قاعدہ غلط ہے۔

مصنفؒ " متاوّلٌ " سے جواب دے رہے ہیں کہ ان تمام مثالوں میں تاویل ہے اور تاویل کی دو صورتیں ہیں۔

اول صورت:

لفظ وقت کلام نظم میں مقدر مانا جائے اور مقدر مثل ملفوظ کے ہوتا ہے اس لئے تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ " **مسجد الوقت الجامع** "

ثانی صورت:

محذوف مانا جائے اور جامع کو اس کے قائم مقام کر دیا جائے ان سب امثلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ موصوف محذوف ہے جو مضاف ہے وہ حقیقۃً موصوف نہیں اور جب صفت مضاف کی نہیں ہیں تو اضافت موصوف الی الصفۃ نہیں ہوئی۔

ولايضاف اسم مماثل للمضاف اليه في العموم والخصوص الخ:

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک اسم دوسرے اسم کے ساتھ عموم وخصوص

میں مماثل اور مشابہ ہوتو ان میں سے کسی ایک کی اضافت دوسرے کی طرف نہیں ہوسکتی خواہ وہ دونوں اسم اعیان میں سے ہوں۔ جیسے " لیث" اور اسد یا معانی اور احداث میں سے ہوں۔ جیسے مَنع و حبَسَ اور یہ اضافت اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں بغیر اضافت کے جو معنی ہوتے ہیں اضافت کے بعد بھی وہی معنی رہتے ہیں تو پھر اضافت سے کیا فائدہ۔

"بخلاف کل الدراھم "اس مثال میں لفظ کل عام ہے اور دراھم خاص ہے اس لئے کل کی اضافت دراہم کی طرف جائز ہے۔

قاعدہ مذکورہ پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ایک اسم دوسرے اسم کا مماثل ہوتو پھر اضافت جائز نہیں ہے اور سعید کرز میں یہ اضافت ناجائز ہونی چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ اس میں مضاف سے مراد مسمّٰی کی ذات ہے اور مضاف الیہ سے مراد خود لفظ ہے۔ اس لئے "جاء نی سعید کرز" کے معنی ہوئے (کہ آیا میرے پاس) اس لفظ کا مدلول یعنی وہ ذات آئی جو لفظ کرز سے ملقب ہے۔" فکان من قبیل اضافۃ العام الی الخاص لامن قبیل اضافۃ احد المتساوین الی الاخر"

واذا اضیف الاسم الصحیح او الملحق بہ الٰی یاء المتکلم کسر اخرہ الخ

(۵) پانچویں بات: عبارت مطلب کیا ہے؟

جب کسی اسم صحیح یا جاری مجری صحیح کی اضافت ہو یاء متکلم کی طرف تو یاء کی مناسبت کی وجہ سے اس کے آخر کو کسرہ دیا جائے گا پھر یاء متکلم کو ساکن کر کے پڑھنا بھی جائز ہے اور فتح دینا بھی جائز ہے اسم صحیح کی مثال جیسے " غلامی "جاری مجریٰ صحیح کی مثال جیسے " دلوٌ "اور ظبیٌ"

اور اگر اسم کے آخر میں الف ہوتو یا متکلم کی طرف اضافت کرتے وقت الف کو ثابت رکھا جائے گا۔ جیسے " عصایَ و رحایَ".

اور اگر اسم کا آخری حرف ایسی یاء ہو جس کا ماقبل مکسور ہو یائے متکلم کی طرف اضافت کے وقت یاء کو یاء میں مدغم کریں گے کیونکہ دو حرف ہم جنس جمع ہو گئے پھر دوسری یاء کو فتحہ دیں گے تا کہ دو

ساکنوں کا اجتماع لازم نہ آئے۔ جیسے " قاضی کو قاضیَ پڑھیں گے اور اگر اسم کے آخر میں ایسی واؤ ہو جس کا ماقبل مضاف ہے جب اس کو یاء متکلم کی طرف اضافت کریں گے تو واؤ کو یاء سے تبدیل کریں گے اور یاء کو یا میں مدغم کریں گے اور دوسری یاء کو فتحہ دیں گے تا کہ دو ساکنوں کا اجتماع لازم نہ آئے جیسے " مسلمِیَّ" اصل میں مسلمون تھا اضافت کی وجہ سے نون گر گیا۔ مسلموىَ ہوا اب واؤ یاء اور یاء کو یاء میں مدغم کیا تو مُسْلميّ ہوا۔ پھر میم کے ضمہ کو یا کہ مناسبت کی وجہ سے کسرہ سے بدلا اور دوسری یاء کو فتحہ دی کیونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے۔ تو مسلميّ ہوا۔

واما الاسماء الستة فاخي وابى الخ

(٦) چھٹی بات: اسمائے سِتّہ کے احوال کیا ہیں؟

اسماء ستہ مکبرہ چھ ہیں۔ " اَخٌ ، اَبٌ، حَمٌ ، هَنٌ، فِىٌ ، ذُو" ان چھ میں تین جماعت ہیں۔(۱) اخٌ ، ابٌ ، حمٌ ، هُنٌ (۲) فِىٌ (۳) ذُو ۔ پہلی اور دوسری میں دو باتیں ہیں۔(۱) اضافت (۲) بغیر اضافت

(۱) جب یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اخ اب حم هن کو اخي ابى حمى هنى پڑھیں گے ان میں جو حرف واؤ محذوف ہے اس کو واپس نہیں لائیں گے کیونکہ کثرت استعمال تخفیف کو چاہتا ہے لیکن مبرّدؒ اخـي ابى میں واؤ کو واپس لا کر پھر اس کو یاء سے تبدیل کر کے یاء متکلم میں مدغم کرتے ہیں تو اخِيّ ابِيّ پڑھتے ہیں۔

(۱) مصنفؒ نے جواب دیا ہے کہ یہ خلاف قیاس ہے اور فصحاء کے استعمال کے خلاف ہے اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ ابـي اصل میں اب کی جمع ہے اور اس کی اصل ابِيْنَ ہو تو نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا اس کے بعد یاء کو یاء میں مدغم کر دیا گیا تو ابی ہو گیا۔ جیسا کہ شاعر کا قول

فلمّا تبيّن اصواتنا ‏ ‏ ‏ ‏ بكين وفدينا بالابينا.

اس میں الابینا اب کی جمع ہے۔

مبرد کا اختلاف صرف اخـي ابى میں ہے۔ دلیل قول الشاعر وابِيّ مالک

ذو المجاز بدار (۲) فم میں دو مذہب ہیں(۱) اکثر حضرات (۲) ایک قوم
اکثر حضرات کے ہاں فم فی پڑھا جائے گا قوم کے نزدیک فمی پڑھا جائے گا۔
فم اصل میں فوہ تھا ہاء کو خلاف قیاس حذف کر دیا گیا واؤ کو میم سے تبدیل کیا گیا تو فمٌ ہو گیا۔

(۲) اگر اخ اب حم هن فم سے اضافت منقطع کی جائے تو ان پر اعراب بالحرکت ہوگا فاءکلمہ پر فتحہ، کسرہ، ضمہ تینوں پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن فتحہ پڑھنا زیادہ فصیح ہے۔

وذو لایضاف الی مضمر الخ:

(۳) ذُو کا حال یہ ہے کہ ذو ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہی نہیں کیونکہ ذُو اس لئے وضع کیا گیا ہے کیونکہ یہ اسم جنس کی طرف مضاف ہے اس لئے اس اسم جنس کو کسی نکرہ کی صفت بنائیں۔ جیسے " جاء نی رجل ذو مال " چونکہ ضمیر اسم جنس نہیں لہٰذا اگر ضمیر کی طرف مضاف ہوگا تو خلاف قیاس لازم آئے گا۔

البتہ کبھی ضمیر غائب کی طرف اضافت ہو جاتی ہے۔ جیسے " انما یعرف ذالفضل من النّاس ذووهٗ " اور یہ شاذ ہے۔

التوابع

وکل ثانی باعراب سابقه من جهةٍ واحدةٍ الخ:

مصنفؒ مقاصد اصلیہ جن میں معربات اصلیہ کا بیان تھا ان سے فراغت کے بعد اب توابع سے معربات تبعیہ کا ذکر کرتے ہیں اسمائے معربہ یعنی مرفوعات، منصوبات، مجرورات کا اعراب دو قسم پر ہے۔ (۱) بالاصالة (۲) بالتبعة

اعراب بالاصالة کا مطلب یہ ہے کہ ان اسمائے معربہ پر خود عوامل رفع، نصب، جر، دینے والے داخل ہوں اور اعراب بالتبعة کا مطلب یہ ہے کہ ان پر خود عوامل داخل نہ ہوں بلکہ جو اسماء ہیں ان پر داخل ہوں اور یہ ان کے تابع ہو کر مرفوع، منصوب

، مجرور ہوں ، ایسے اسم کو تابع کہتے ہیں کیونکہ یہ اپنے ماقبل کی پیروی کرتا ہے اعراب یعنی رفع ،نصب، جر میں ۔

توابع پانچ ہیں ۔(۱)النعت (۲) تاکید (۳) عطف بیان (۴) بدل (۵) معطوف بالحرف

ان پانچ میں وجہ حصر یہ ہے کہ " **فان التابع لایخلوا اما ان یکون مقصودا بالنسبت اولا فالاول لایخلوا اما ان یکون المتبوع ایضاً مقصودًا بالنسبت اولا فالاول هو المعطوف بالحرف والثانی هو البدل وانکان الثانی فلایخلوا اما ان یکون دالا علی معنی فی متبوعه اَولا**"۔

فالاول هو النعت والثانی لایخلوا اما ان یکون مقرراً لامر المتبوع فی النسبة او الشمول اولا فالاول هو التاکید والثانی عطف البیان

خلاصہ بدل میں مقصود بالنسبت تابع ہے تحت تاکید ، عطف بیان میں مقصود بالنسبت متبوع ہے۔

معطوف میں مقصود بالنسبت تابع اور متبوع دونوں ہیں ۔

توابع جمع ہے تابع کی اور تابع فاعل کے وزن پر ہے اور فاعل کا وزن دو قسم پر ہے (۱) صفتی (۲) اسمّی اور ان دونوں قسموں میں سے تابع فاعل اسمی ہے اور فاعل اسمی کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے جیسے ۔ کاہل کی جمع کواہل ہے ۔

تابع کی تعریف:

تابع ہر وہ دوسرا ہے جو اپنے لفظ کے اعراب کے موافق ہو اور دونوں کے اعراب کی جہت ایک ہو اگر پہلے لفظ پر رفع فاعل ہونے کی جہت وحیثیت سے ہے تو دوسرے پر بھی اسی جہت سے ہو اگر پہلے لفظ پر نصب مفعولیت کی جہت سے ہے تو دوسرے پر بھی نصب اسی جہت سے ہو۔ جیسے "**جاء نی زیدٌ العالم**" اس مثال میں العالم تابع ہے کیونکہ وہ بنسبت زید کے دوسرے درجہ میں ہے اور اعراب رفع میں اس کے موافق ہے اور دونوں ایک ہی جہت (فاعلیت) سے مرفوع ہے۔

(۱) النعت تابع یدل علی معنیً فی متبوعه مطلقًا:

تابع کی پانچ قسموں میں سے پہلی قسم نعت یعنی صفت ہے ، مصنف ؒ نے نعت کو باقی

قسموں پر مقدم کیا کیونکہ یہ کثیر الاستعمال ہے، کلام میں باقی توابع میں اور متابعت میں مکمل ہے کیونکہ نعت تابع کو اپنے متبوع میں دس چیزوں کی مطابقت ہے اور کثیر الفوائد ہے اور بحث میں زیادہ بھی ہے۔" العزۃ للتکاثر"

نعت میں پانچ چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) نعت کی تعریف (۲) نعت کا فائدہ کیا ہے؟ (۳) نعت کی قسمیں اور ان کی تعریفیں۔(۴) ضمیر موصوف نہیں ہوتی ہے۔(۵) ضمیر کسی کی صفت واقع کیوں نہیں ہوتی؟

(۱) پہلی بات: نعت کی تعریف:

نعت وہ تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے متبوع میں پائی جاتے ہیں اور یہ دلالت ہر حالت میں ہو ایسا نہ ہو کہ کسی وقت دلالت ہو اور کسی وقت نہ ہو مطلقاً کا یہی مطلب ہے۔

(۲) دوسری بات: نعت کا فائدہ:

نعت کے فائدے پانچ ہیں۔

(۱) نعت اکثر متبوع کی تخصیص کے لئے ہوتی ہے جب متبوع نکرہ ہو۔ جیسے " رجلٌ عَالِمٌ"

(۲) نعت اکثر متبوع کی وضاحت کے لئے ہوتی ہے جب متبوع معرفہ ہو۔جیسے" زیدن الظریف"

(۳) اور کبھی نعت صرف ثناء کے لئے ہوتی ہے۔جیسے" بسم الله الرحمن الرحیم"

(۴) اور کبھی نعت ذم کے لئے بھی ہوتی ہے۔جیسے" اعوذ بالله من الشیطن الرجیم"

(۵) اور کبھی نعت تاکید کے لئے بھی ہوتی ہے۔جیسے" نفخۃٌ واحدۃٌ"

ولا فصل بین ان یکون الخ

سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ صفت کے لئے تو یہ ضروری ہے کہ وہ ایسے معنی پر دلالت کرے جو متبوع میں ہیں یہ معیار جس کے اندر بھی پایا جائے اس کی صفت واقع ہونا درست

ہوگی خواہ مشتق ہو یا غیر مشتق بعض نحاۃ کے نزدیک صفت کا مشتق ہونا ضروری ہے، اگر غیر مشتق میں ہو تو یہ دلالت عام استعمالات میں پائی جائیگی تو وہ عام استعمالات میں صفت واقع ہوگی اور اگر خاص استعمالات میں پائی جائیگی تو وہ غیر مشتق صرف انہیں مخصوص مواقع میں صفت واقع ہوگی دوسری جگہ میں صفت واقع نہ ہوگی۔ جیسے "**تمیمی اور ذومال**" ان میں تمیمی کی دلالت اس شئے اور ذات پر ہے جس کی نسبت قبیلہ تمیم کی طرف ہو۔

اسی طرح ذومال کی دلالت ایسی ذات پر ہے جو صاحب مال ہو اور یہ دلالت کسی مادہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔

اور کبھی یہ دلالت مخصوص جگہوں میں واقع ہوتی ہے۔ جیسے "**مررت برجل ایّ رجل**" میں ای نکرہ کی صفت ہے اور ایسے اسم کی طرف مضاف ہے جو اس کے موصوف کے مثل ہے تو ایسی ترکیب میں کلمہ ای صفت واقع ہوگا جو موصوف کے اندر کمال وصف پر دلالت کرے گا اور جہاں ایسی ترکیب نہ ہو وہاں صفت کے لئے نہ ہوگا۔ جیسے "**ای رجل عندک**" اس مثال میں ای صفت کے لئے نہیں ہے۔ اسی طرح "**مررت بھذا الرجل**" میں الرجل ھذا کی صفت واقع ہے تو الرجل کی دلالت ایسے معنی پر ہو رہی ہے جو متبوع یعنی ھذا اسم اشارہ میں پائی جاتی ہے۔

لہٰذا صفت واقع ہونا صحیح ہے اور جہاں رجل کی دلالت ایسے معنی پر نہ ہو جو متبوع میں پائے جاتے ہیں تو وہاں رجل صفت واقع نہ ہوگی۔

بعض نحاۃ مذکورہ مثال میں الرجل کو ہذا کی صفت نہیں قرار دیتے بلکہ ہذا سے بدل الکل یا عطف بیان قرار دیتے ہیں۔

(۳) **مررت بزید ھذا**: سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں اسم اشارہ علم کی صفت ہو۔ جیسے اس مثال میں ہذا اسم اشارہ زید کی صفت ہے جو علم ہے یہاں اسم اشارہ ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو زید کے اندر پائے جاتے ہیں اور وہ معنی زید کا مشار الیہ ہوتا ہے اور جہاں ہذا کی دلالت ایسے معنی پر نہ ہو تو وہاں صفت واقع نہ ہوگی۔

وتُوصَفُ النکرۃ بالجملۃ الخبریۃ ویلزم فیھا الضمیر الخ

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مفرد کا صفت بننا صحیح ہے اسی طرح جملہ خبریہ کا صفت بننا بھی صحیح ہے۔ کیونکہ صفت کا مدار اس پر ہے کہ وہ ایسے معنی پر دلالت کرے جو متبوع میں پائے جاتے ہیں اور یہ معنی جملہ خبریہ کے اندر بھی پائے جاتے ہیں تو جب جملہ خبریہ نکرہ کی صفت واقع ہو تو اس جملے میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو لوٹ رہی ہو رجل نکرہ کی طرف تاکہ موصوف اور صفت میں مطابقت رہے۔

(۳) تیسری بات: صفت کی قسمیں اور ان کی تعریفیں:

ویوصف بحال الموصوف الخ.....

صفت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) صفت بحال موصوف (۲) صفت بحال متعلقہ

(۱) صفت بحال موصوف کی تعریف:۔

صفت بحال موصوف ایسی صفت کو کہتے ہیں جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو موصوف کی ذات میں پائے جاتے ہیں۔ جیسے "**جاء نی رجلٌ عالمٌ**" (میرے پاس ایک عالم مرد آیا) اس میں عَالِمٌ صفت خود اس کے موصوف رجل میں پائے جاتے ہیں۔

(۲) صفت بحال متعلقہ کی تعریف:

صفت بحال متعلقہ ایسی صفت کو کہتے ہیں جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو بالذات تو متعلق موصوف میں اور بالاعتبار موصوف میں پائے جاتے ہیں۔ جیسے "**جاء نی رجلٌ عالم غلامه**" اس مثال میں صفت علمیت رجل کے غلام کے لئے بالذات ثابت ہے اور اپنے موصوف یعنی خود رجل کے لئے بالاعتبار ثابت ہے کیونکہ رجل کا عالم الغلام ہونا یہ معنی اعتباری ہے۔

فالاول یتبعه فی الاعراب الخ

صفت کی پہلی قسم صفت بحال موصوف اپنے متبوع کے ساتھ دس چیزوں میں تابع ہوتی ہے۔ اعراب یعنی (۱) رفع، (۲) نصب، (۳) جر، (۴) تنکیر، (۵) تعریف، (۶) تذکیر (۷) تانیث (۸) افراد (۹) تثنیہ (۱۰) جمع۔ ان دس (۱۰) چیزوں میں سے صرف

چار چیزیں پائی جائیں گی اس طرح سے کہ مثلاً ایک جگہ تعریف اور تنکیر میں سے تعریف یا تنکیر ہوگی اور تذکیر و تانیث میں سے تذکیر یا تانیث ہوگی اور افراد و تثنیہ وجمع میں سے افراد ہوگا یا تثنیہ یا جمع اور رفع و نصب و جر میں سے رفع ہوگا یا نصب یا جر جیسے "عِنْدِیْ رَجُلٌ عَالِمٌ" (میرے پاس ایک عالم مرد ہے) اس مثال میں ان دس چیزوں میں سے صرف چار (۴) چیزیں پائی جا رہی ہیں تنکیر، تذکیر، افراد، رفع اسی طرح "عِنْدِیْ رَجُلانِ عَالِمَان" میں چار چیزیں تنکیر، تذکیر، تثنیہ اور رفع جو الف کے ساتھ ہے اسی طرح "رِجَالٌ عالِمُوْنَ" میں چار چیزیں تنکیر، تذکیر، جمع اور رفع اور اسی طرح "امرأةٌ عَالِمَةٌ" میں تنکیر، تانیث اور رفع ہیں جو الف کے ساتھ ہیں۔ اور اسی طرح چھٹی مثال "نِسْوَةٌ عَالِماتٌ" میں تنکیر، تانیث، جمع اور رفع ہیں۔ "نِسْوَۃٌ" جمع ہے امراۃٌ کی۔

والثانی یتبعه فی الخمسة الاولیٰ الخ:

اور صفت کی دوسری قسم اپنے موصوف کے ساتھ پانچ چیزوں میں مطابقت ہوتی ہے۔

(۱) رفع، (۲) نصب (۳) جر (۴) معرفہ (۵) نکرہ

پانچ میں سے دو (۲) کا پایا جانا ضروری ہے۔ رفع، نصب، جر میں سے ایک اور معرفہ نکرہ میں سے بھی ایک

وفی البواقی کالفعل الخ

باقی پانچ یعنی افراد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث میں صفت کا معاملہ فعل جیسا ہوگا کیونکہ جس طرح فعل اپنے مابعد کی طرف مسند ہوتا ہے اسی طرح صفت بھی مسند ہوتی اس لئے صفت کو فعل کے ساتھ مشابہت ہوئی جو حکم فعل کا ہوگا وہی صفت کا ہوگا۔

فعل کا فاعل اسم ظاہر ہو خواہ مفرد، تثنیہ یا جمع تینوں حالتوں میں فعل کو مفرد لایا جاتا ہے۔ اسی طرح صفت کا معاملہ ہے۔ جیسے "**مررت برجل قاعد غلامه، مررت برجلین، قاعد غلاماهما، مررت برجال، قاعد غلمانهم**"

اور اگر صفت کا فاعل مذکر ہو یا مؤنث حقیقی ہو تو صفت اور اس کے فاعل کے درمیان فصل

نہ ہوتو صفت کو فاعل کے مطابق لایا جائے گا اگر فاعل مذکر ہوتو صفت بھی مذکر لائی جائیگی۔ جیسے " مررت بامرأة قائم ابوھا "اس مثال میں صفت کوموصوف کے مطابق نہیں لایا گیا بلکہ فاعل مذکر ہے۔اس لئے صفت کومذکر لایا گیااور "مررت برجل قائمة جاریته" اس مثال میں فاعل مونث حقیقی ہےاس لئے صفت کومؤنث لایا گیا،موصوف کی رعایت نہیں کی گئی۔

اگرقائم کی جگہ " یقوم "اور قائمه کی جگہ تقوم لایا جائےتو یہ فعل کی مثال ہوجائے گی۔

اگر صفت کا فاعل مؤنث حقیقی ہولیکن صفت اور فاعل کے درمیان فصل ہو۔تو اس صورت میں بھی صفت کو مذکراور مؤنث دونوں طرح لاسکتے ہیں۔جیسے " مررت برجل قائم "اور " قائمه فی الدار جاریته" اس مثال میں جاریۃ فاعل مؤنث حقیقی ہےلیکن صفت اور فاعل کے درمیان فی الدار کی فصل ہےاس لئے صفت کو مذکراور مؤنث دونوں طرح لانا درست ہے۔

اگراس مثال میں قائم کی جگہ یقوم اور قائمة کی جگہ تقوم لایا جائےتو یہ فعل کی مثال ہوجائے گی۔

اس لئے مذکورہ شرط پائے جانے کی وجہ سے یہ مثال جائز ہے " قام رجل قاعد علما" نہ بہ بمنزلہ یقعد غلمانه ہے۔صفت بحال موصوف متعلقہ ہے۔اور یہ مثال ضعیف ہے " قاعدون غلمانه " کیونکہ بمنزلہ " یقعدون غلمانه " ہے یہاں صفت کا صیغہ جمع ہے صفت کومفرد ہونا چاہئے مذکورہ ترکیب میں فاعل کا تعدد لازم آتا ہےاس وجہ سے ضعیف ہے۔

"ویجوز قعود غلمانه "اس ترکیب میں قعود صفت ہےاور غلمان اس کا فاعل اسم ظاہر ہےاس لئے صفت کوجمع نہ لانا چاہئےلیکن ترکیب مذکورہ جائز ہےاس لئے کہ قعود غلمانه میں قعود جمع مکسر ہےاور فعل مکسر نہیں ہوتا اس لئے صفت کے صیغہ کی مشابہت فعل کے ساتھ کمزور ہوگئی اس لئے قعود غلمانه جیسی ترکیب میں نہ تو قاعده غلمانه جیسا حُسن ہےاور نہ قاعدون غلمانه جیسا ضعف ہے بلکہ صرف جائز ہے۔نہ حسین ہےاور نہ ضعف ہے۔

(۴) چوتھی بات: ضمیر کیوں موصوف نہیں ہوتی؟

"والمضمر لایوصَفُ الخ" ضمیر موصوف نہیں ہوتی کیونکہ ضمیر متکلم اور مخاطب تو اعرف المعارف ہے تو جب یہ دونوں ضمیر سب سے زیادہ معرفہ ہیں تو صفت لاکر ان کی توضیح کی کیا ضرورت ہے اور ضمیر غائب کو ان دونوں پر حمل کرلیا گیا ہے۔

(۵) پانچویں بات: ضمیر کسی کی صفت کیوں واقع نہیں ہوتی؟

"ولا یُوصَفُ بہ الخ "اس لئے کہ صفت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسے معنی پر دلالت کرے جو موصوف کے اندر پائے جاتے ہوں اور ضمیر کی دلالت ذات پر ہوتی ہے ایسے معنی پر نہیں ہوتی جو موصوف میں پائے جاتے ہوں۔

"والموصوف اخص او مساوی الخ" موصوف کو صفت سے خاص ہونا چاہئے یا مساوی ہونا چاہئے کمتر نہ ہونا چاہئے اس وجہ سے کہ معرف باللام کی صفت یا تو معرف باللام ہو یا معرف باللام کی طرف مضاف ہو اور مضاف اور اس کے مضاف الیہ معرف باللام کے درمیان فصل نہ ہو یا فصل ہو تو دونوں جائز ہیں۔

اول کی مثال۔ جیسے" جاء نی الرجل الفاضل " ثانی کی مثال۔ جیسے" جاء نی الرجل صاحب الفرس"

اعرف المعارف مضمرات ہیں، اعلام ہیں، اسماء الاشارات ہیں، ذوالام ہیں پھر موصولات ہیں۔ اوران کے درمیان جو ہے وہ برابر ہے۔

وانما التزم وصف باب هذا بذ لام للابهام الخ:

اسم اشارہ کی صفت اسم اشارہ واقع نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ خود ہی مبہم ہے تو اس اشارہ میں ابہام بہت ہوتا ہے کیونکہ اس کی اصل وضع ابہام کے لئے ہے اسی طرح جو معرف باللام یا اسم موصول کی طرف مضاف ہو وہ بھی اسم اشارہ کی صفت واقع نہیں ہوسکتی کیونکہ مضاف مضاف الیہ کے ذریعہ اپنا ابہام دور کرتا ہے تو جب یہ اپنے ابہام کو دور کرنے میں دوسرے کا محتاج ہے تو کسی اور کا ابہام کیسے دور کرسکے گا۔ اس لئے اسم اشارہ کی صفت معرف باللام ہوگی

اسی سے اس کا ابہام دور ہوگا۔

البتہ اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر معرف باللام کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اس لئے اسم اشارہ کی صفت معرف باللام یا پھر اسم موصول ہوگی کیونکہ انہیں سے اسم اشارہ کا ابہام دور ہوسکتا ہے۔

اگر معرف باللام سے ابہام دور نہ ہو تو ایسا معرفہ باللام بھی اسم اشارہ کی صفت واقع نہیں ہوسکتا۔ جیسے " **مررت بھذا الابیض** "اس مثال میں الابیض معرف باللام ہے لیکن اس سے ابہام دور نہیں ہو رہا کیونکہ بیاض کسی جنس کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر جنس کے ساتھ ہے اس لئے اس سے ابہام دور نہیں ہوا۔ اس وجہ سے صفت واقع ہونا صحیح نہیں۔

"**بخلاف مررت بھذا العالم**" کے کہ عِلَمُ انسان کے ساتھ ہے بلکہ اکثر تو مردوں کے ساتھ خاص ہے اس لئے اس سے ابہام دور ہو رہا ہے اس وجہ سے اس کی صفت بننا صحیح ہے۔

(۲) العطف تابع مقصود بالنسبت مع متبوعه الخ:

تابع کی دوسری قسم عطف بالحرف ہے۔

عطف بالحرف میں پانچ چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) عطف بالحرف کی تعریف (۲) **واذا عطف علی الضمیر المرفوع الخ** کا مطلب (۳) **واذا عطف علی الضمیر المجرور الخ** کا مطلب (۴) معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ (۵) ایک حرف کے ذریعے دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف الخ

(۱) پہلی بات: عطف بالحرف کی تعریف:

عطف بالحرف وہ تابع ہے جو حرف عطف کے بعد آجائے، حرف عطف سے پہلے متبوع ہوتا ہے اس کو معطوف علیہ کہتے ہیں۔ بمعنی (اس پر عطف کیا گیا) اور حرف عطف کے بعد تابع ہوتا ہے اس کو معطوف کہتے ہیں عطف بالحرف کا نام عطف النسق بھی ہے۔ نسق کا معنی ہے برابر ہونا چونکہ تابع معطوف اور متبوع معطوف علیہ بھی اعراب میں برابر ہوتے ہیں اس لئے اس کو عطف النسق کہتے ہیں۔

نسق کا دوسرا معنی ہے ترتیب دینا تو چونکہ اس تابع میں بھی معطوف بعض صورتوں میں معطوف علیہ کے بعد ہوتا ہے اوران میں ترتیب ہوتی ہے۔ جیسے " قـامَ زیـدٌ وعـمـروٌ" قام فعل زید متبوع معطوف علیہ واؤ حرف عطف عمر و تابع مطعوف

(۲) دوسری بات: و اذا عطف علی الضمیر الخ کا مطلب:

مطلب یہ ہے کہ جب ضمیر مرفوع متصل پر خواہ بارز ہو یا مستتر کسی اسم کا عطف ڈالا جائے تو ضروری ہے کہ پہلے ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ اس کی تا کید لائی جائے بعد میں مرفوع منفصل پر عطف کیا جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل بمنزلہ جزء کلمہ کے ہے اگر بغیر تاکید اس پر عطف ڈالا جائے تو کلمہ مستقل پر عطف لازم آئیگا، جزء کلمہ پر اور وہ جائز نہیں ہے تاکید کی وجہ سے وہ ضمیر مرفوع منفصل معطوف علیہ بھی مستقل کلمہ کی حیثیت اختیار کر گی۔ لہٰذا عطف ڈالنا جائز ہو جائے گا۔ جیسے " ضربتُ انا وزیدٌ" اس مثال میں تُ ضمیر مرفوع متصل بارز پر عطف ہے۔ زیدٌ اسم ظاہر کا تو اولاً اس کی تاکید انا ضمیر مرفوع منفصل سے لائی گئی ہے پھر عطف ڈالا گیا ہے۔

ضمیر مرفوع متصل مستتر کی مثال۔ جیسے " اسکن انت وزوجک الجنۃ " اس مثال میں اسکن میں انت ضمیر مرفوع متصل مستتر ہے۔ اس کی تاکید انت ضمیر منفصل کے ساتھ لائی گئی ہے۔ پھر زوجک اسم ظاہر کا عطف ڈالا گیا ہے واؤ کے ذریعے سے۔

مصنف ؒ نے ضمیر مرفوع کہا کیونکہ ضمیر منصوب پر بغیر تاکید کے عطف جائز ہے۔ جیسے " ضـــربک وزیـدًا" اس مثال میں ک ضمیر منصوب پر زیداً اسم ظاہر کا عطف ہے بغیر تاکید کے۔

اور اگر ضمیر مرفوع تو ہے لیکن متصل نہیں بلکہ منفصل ہے تو بغیر تاکید کے ضمیر مرفوع منفصل پر عطف جائز ہے۔ جیسے " انـا وزیـد ذاھبـان " انا ضمیر منفصل پر زید اسم ظاہر کا عطف ہے پھر یہ مبتداء اور ذاھبان خبر ہے۔

الا ان یقع الفصل فیجوز ترکہ الخ:

ہاں اگر ضمیر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان فصل واقع ہوتو پھر تاکید لانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہی فاصلہ تاکید کے قائم مقام ہے۔جیسے " ضربتُ الیوم وزیدا" اس مثال میں ت ضمیر مرفوع متصل بارز پر زید اسم ظاہر کا عطف ہے اور درمیان میں الیوم کا فاصلہ ہے اس لئے تاکید کو ترک کردیا۔

واعلم ان مذھب البصرین الخ

بصریین اور کوفیین کا مذہب جمہور سے کچھ علیحدہ ہے۔

بصرین کے نزدیک اولیٰ تو یہی ہے جو جمہور کا مسلک ہے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرتے وقت تاکید لانا اولیٰ ہے لیکن اگر تاکید نہ لائی جائے تب بھی عطف جائز ہے مگر قبیح ہے۔

کوفیین کے نزدیک بغیر تاکید کے عطف بلا قباحت جائز ہے۔

(۳) تیسری بات: واذا عطف علی الضمیر المجرور الخ کا مطلب:

اگر ضمیر مجرور پر کسی اسم کا عطف ڈالا جائے تو معطوف پر بھی حرف جر کا لانا ضروری ہے خواہ حرف جر ہو۔جیسے "مررت بک وبزید" یا اسم ہو۔جیسے " اخوک واخوزید" پہلی مثال میں ک ضمیر مجرور ہے اس پر زید کا عطف ڈالا جارہا ہے اس لئے ک جس حرف کی وجہ سے مجرور ہے یعنی باء اس کا اعادہ زید پر کیا گیا۔دوسری مثال میں اخوک میں کاف ضمیر مجرور ہے اور اخ مضاف کی وجہ سے مجرور ہے اس پر عطف کرتے وقت زید سے پہلے مضاف یعنی اخ کا اعادہ کیا گیا ہے۔یہ بصریین کا مذہب ہے کہ اعادہ جار ضروری ہے۔سعۃ کلام میں البتہ نظم مجبوری کی وجہ سے اعادہ جار کا ترک بھی جائز ہے۔اعادہ خافض کیوں ضروری ہے؟ کیونکہ ضمیر مجرور اور حرف جر کے درمیان شدید اتصال ہے شدت اتصال کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہیں اگر بغیر اعادہ حرف جر کے مجرور پر

کسی اسم ظاہر کا عطف ڈالا جائے گا تو کلمہ مستقلہ کا جز کلمہ پر عطف لازم آئے گا۔

اور وہ ناجائز ہے (۱) کوفیین کے نزدیک نثر اور نظم دونوں معطوف میں اعادہ جار ضروری نہیں۔

(۴) چوتھی بات: معطوف اور مطعوف علیہ کے احوال کیا ہیں؟

والمعطوف فی حکم المعطوف علیه فیما یجوز له الخ.

معطوف معطوف علیہ کا حکم ان احوال میں ہوتا ہے جو معطوف علیہ کو اپنے ماقبل کے اعتبار سے پیش آتے ہیں۔ یعنی جو امور معطوف علیہ کے لئے جائز ہیں وہی معطوف کے لئے جائز ہوں گے اور جو امور معطوف علیہ کے لئے ناجائز ہیں وہی امور معطوف کے لئے ناجائز ہوں گے۔ اگر اول یعنی معطوف علیہ کسی چیز کی صفت ہو یا خبر یا حال ہو تو ثانی یعنی معطوف بھی ایسا ہی ہوگا۔ جیسے " قام زیدٌنِ العالم و العاقل " اس مثال میں اول یعنی العالم زید کی صفت ہے۔ تو ثانی یعنی العاقِل مطعوف بھی اس کی صفت ہے وغیرہ۔

یہ مذکورہ حکم اس وقت ہے کہ جب معطوف علیہ میں جو حکم پایا جاتا ہو اس کا مقتضی معطوف میں منتفی نہ ہو اگر اس حکم کا مقتضی معطوف میں نہ پایا جائے تو پھر معطوف علیہ کا حکم معطوف میں نافذ نہ ہوگا جیسا کہ یا رجل والحارث کہ اس میں رجل منادی پر الف لام نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حرف ندا کا دخول منادی کو معرفہ بنا دیتا ہے تو یہ منادیٰ کے لئے آلہ تعریف ہے اگر الف ولام منادی پر داخل ہو تو منادی پر دو آلہ تعریف کا اجتماع بغیر فصل کے لازم آئے گا لیکن معطوف میں اگر الف ولام داخل کر دیں تو یہ خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ اس میں دو آلہ تعریف کا اجتماع بغیر فصل کے لازم نہیں آتا۔

"واما نحو ربّ شاةٍ و سخلتها الخ " کا حکم معطوف علیہ شاةٍ نکرہ ہے وسخلتها معطوف معرفہ ہے دونوں کا ایک حکم نہیں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ شاةٍ معطوف علیہ کی طرح سخلتها معطوف بھی نکرہ ہے لہٰذا

مثال مذکور قاعدہ کے موافق ہوگئی۔

"ومن ثم لم یجز فی ما زیدٌ بقائمٍ او قائمًا الخ" اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ المعطوف فی حکم المعطوف علیہ اس پر تفریع کر رہے ہیں کہ اس قاعدہ کی بنیاد پر "ما زیدٌ بقائمٌ او قائمًا و لا ذاهب عمرو "اس مثال میں ذاہب پر صرف رفع جائز ہے۔

کیونکہ اگر نصب پڑھا جائے قائماً پر عطف ہوگا اور جر پڑھا جائے تو بقائم پر عطف ہوگا اور ذاہب کا عطف بقائم یا قائِمًا پر صحیح نہیں۔

اس واسطے سے کہ مازید بقائمٍ پڑھا جائے یا" مازید قائمًا" پڑھا جائے تو دونوں صورتوں میں ان کے اندر ضمیر ہے جو زید کی طرف راجع ہے اور ذاہب کا عطف ان دونوں میں سے کسی ایک پر کیا جاتا ہے تو ذاہب میں بھی ضمیر ہونی چاہئے جو زید کی طرف راجع ہو اور یہاں ذاہب میں ضمیر نہیں کیونکہ اس کا فاعل عمرو ہے۔

وانما جاز الذی یطیر فیغضب زیدالذباب الخ:

یہ مثال جائز ہے کیونکہ فیغضب کا عطف یطیر پر ہے اور فیغضب میں فاء عاطفہ نہیں ہے بلکہ سببیت کے لئے ہے۔

(۵) پانچویں بات: واذا عُطف علی عاملین مختلفین الخ: کا مطلب کیا ہے؟

اس کے تین طریقے ہیں (۱) ایک عامل کے دو مختلف معمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعے عطف کرنا سب کے نزدیک صحیح ہے۔

(۲) دو سے زائد عاملوں کے معمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعہ عطف کرنا کسی کے نزدیک صحیح نہیں۔

(۳) دو عاملوں کے دو مختلف معمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعہ سے عطف کرنا اس میں اختلاف ہے۔ (۱) جمہور کے نزدیک ایک حرف کے ذریعے دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف ناجائز ہے۔ (۲) فراءؒ کے نزدیک ایسے عطف صورۃً اور حقیقۃً دونوں اعتبار سے جائز ہیں۔

الا فی نحو فی الدار زیدٌ و الحجرۃ عمروٌ الخ:

یہ مثال قاعدہ مذکورہ سے مستثنیٰ ہے اس سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں معطوف علیہ مجرور مقدم ہو مرفوع یا منصوب پر معطوف میں بھی اسی طرح معمول مجرور مرفوع یا منصوب پر مقدم ہو اس میں الحجرۃ کا عطف ہے۔ الدار پر ہے تو الدار مجرور ہے فی عامل کی وجہ سے اور عمرو کا عطف ہے زیدٌ پر اور زیدٌ مرفوع ہے اس کا عامل ابتداء ہے یہاں دو عامل ہیں۔(۱) فی (۲) ابتداء۔ ان کے دو معمول ہیں۔(۱) فی کا معمول الدار (۲) اور ابتداء کا معمول زیدٌ ان دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر دو اسموں الحجرۃ اور عمرو کا عطف ڈالا جا رہا ہے ایک حرف عطف واؤ کے ذریعے سے چونکہ اس عطف کے جواز کی شرط پائی جاتی ہے معطوف علیہ اور معطوف میں مجرور معمول مقدم ہے۔ مرفوع پر لہٰذا یہ عطف جائز ہوگا۔

خلافاً لسیبویۃ فانہ یجوز ھذا العطف الخ.

(۳) تیسرا مذہب سیبویہ کا ہے ان کے نزدیک قاعدہ مذکورہ کے دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف ایک حرف کے ذریعے ناجائز ہے۔ یہ قاعدہ مطرد ہے اس سے کوئی ترکیب مستثنیٰ نہیں ہے۔

اس لئے ان کے نزدیک "**فی الدار زید و الحجرۃ عمرٌو**" جیسی مثال بھی مستثنیٰ نہ ہوگی بلکہ یہ بھی ناجائز ہوگی جہاں کہیں ایسی مثال پائی جائیگی وہ اس میں تاویل کریں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایسی ترکیب میں معطوف کی جانب عامل محذوف مانا جائے گا چنانچہ مثال مذکور میں والحجرۃ معطوف سے پہلے فی حرف جار محذوف مانتے ہیں ان کے نزدیک اصل عبارت اسی طرح ہے "**فی الدار زیدٌ وفی الحجرۃ عمرٌو**" اس میں جملہ کا عطف جملہ پر ہے اور یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔

(۴)التاکید تابع یقرر المتبوع فی النسبۃ الخ:

توابع کی تیسری قسم تاکید ہے۔

تاکید میں پانچ چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) تاکید کی تعریف (۲) تاکید کا فائدہ (۳) تاکید کی قسمیں (۴) واذا اُکّـــدّا الضمیر المرفوع المتصل الخ کا مطلب (۵) واکتع واخواہ اتباع الخ کا مطلب

(۱) پہلی بات: تاکید کی تعریف:

تاکید وہ تابع ہے جو متبوع کے حال کو نسبت میں یا شمول میں ثابت کرتا ہے نسبت سے مراد یہ ہے کہ جس کو منسوب قرار دیا گیا ہے واقعی وہ منسوب ہے یا جس کو منسوب الیہ قرار دیا گیا ہے واقعی وہ منسوب الیہ ہے۔

شمول سے مراد یہ ہے کہ حکم واقعی تمام افراد کو شامل ہے ایسا نہیں ہے کہ حکم بعض افراد کو شامل ہو اور مجازاً تمام افراد کی طرف سے نسبت کردی گئی ہے۔

(۲) دوسری بات: تاکید کا فائدہ:

تاکید کے دو فائدے ہیں (۱) سامع کے بارے میں جو غفلت کا اندیشہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے اس نے متکلم کی بات نہ سنی ہو۔ تاکید کے بعد اس کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے اس لئے تاکید لائی جاتی ہے۔

(۲) سامع کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ متکلم نے غلطی کی ہے جس کو منسوب اور منسوب الیہ قرار دیا ہے حقیقت کے اعتبار سے وہ منسوب اور منسوب الیہ نہیں ہے تاکید سے یہ وہم بھی دور ہو جاتا ہے۔

(۳) تیسری بات: تاکید کی قسمیں

وهو لفظيٌ ومعنويٌ الخ

تاکید کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) تاکید لفظی (۲) تاکید معنوی

تاکید لفظی سے مراد یہ ہے کہ تکرار لفظ میں ہو۔

(۱) تکرار لفظ اسم میں ہو۔ جیسے "زیدٌ زیدٌ قائمٌ"

(۲) تکرار لفظ فعل میں ہو۔ جیسے " ضرب ضرب زیدٌ"

(۳) تکرار لفظ حرف میں ہو۔ جیسے '' اِنَّ اِنَّ زیداً قائمٌ''

''والتاکید المعنوی بالفاظ الخ ''معنوی سے مراد یہ ہے کہ معنیٰ میں تکرار ہو۔ دوسری قسم تاکید معنوی ہے۔ تاکید معنوی آٹھ لفظوں میں حاصل ہوتی ہے۔

(۱) نَفسٌ وعَینٌ (۲) کِلاَ (۳) کِلْتَا (۴) کُلٌّ (۵) اَجْمَعُ (۶) اَکْتَعُ (۷) اَتبعُ (۸) ابصعُ

نفس وعینٌ یہ دونوں آتے ہیں واحد، تثنیہ، جمع کی متبوع واحد، تثنیہ جمع ہو تو یہ بھی واحد، تثنیہ جمع ہوں گے۔

کِلَا، وکِلْتا یہ دونوں آتے ہیں تثنیہ کی تاکید کے لئے کلا تثنیہ مذکور اور کلتا تثنیہ مؤنث کے لئے۔

کُلٌّ یہ آتا ہے واحد جمع کے لئے لیکن لفظ کل کے صیغہ میں تبدیلی نہیں آئیگی بلکہ ان میں جو ضمیر ہے وہ مختلف ہو جاتی ہے، مرجع کے اعتبار سے مرجع اگر مفرد مذکر ہو ضمیر بھی مفرد مذکر ہوگی۔ جیسے " جاء نی زیدٌ اجمعُ واکتعُ وابتعُ وابصعُ"

اگر متبوع جمع مذکر ہو تو یہ صیغے بھی جمع مذکر ہوں گے۔ جیسے " جاء نی القوم اجمعون واکتعون والتبعون والصعون "

اگر متبوع مفرد مؤنث ہو تو یہ بھی مفرد مؤنث ہوں گے۔ جیسے "" جاء نی امراۃٌ جمعاء و کتعاء وبتعاء وبصعاء"

اگر متبوع جمع مؤنث ہو تو یہ بھی جمع مؤنث ہوں گے۔ جیسے " جاء نی نسوۃٌ جمعُ وکُتعُ وبتعُ وبصعُ"

لفظ کل اور اجمع سے اس چیز کی تاکید لائی جاتی ہے جس کے ایسے اجزا اور ابعاض یعنی حصے ہوں جو باعتبار حس اور مشاہدہ کے ایک دوسرے سے جدا ہو سکتے ہوں۔ جیسے '' قوم اور رجال وغیرہ ان کے اجزاء اور افراد زید عمرو بکر وغیرہ باعتبار حس اور مشاہدے کے جدا ہیں۔ لہٰذا ان کی تاکید کل اور اجمع سے آسکتی ہے۔ جیسے ''

جاء نی القوم کلهم اجمعون " "اکرمت القوم کلهم " " اکرمت الرجال کلهم " یا باعتبار حکم کے ایک دوسرے سے جدا ہوسکیں جیسے عبد کے اجزاء اگر چہ حسًا تو جدا نہیں ہوسکتے لیکن جب شراء یا بیع وغیرہ والا حکم اس پر لگائیں گے۔

(۴) چوتھی بات: "واذا اُکِّدَ الضمیر المرفوع المتصل الخ: کا مطلب:

اگر ضمیر مرفوع متصل بارز یا مستتر کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ لائی جائے تو اس کے لئے شرط یہ ہے کہ پہلے اس کی تاکید ضمیر متصل کے ساتھ لائی جائے پھر نفس اور میت کے ساتھ تاکید لائی جائیگی اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ نفس اور عین اکثر فاعل واقع ہوتے ہیں۔ جیسے " زیدٌ ضرب نفسه عمرو عینه " پس اگر ضمیر منفصل کے بغیر نفس اور عین کے ساتھ تاکید لائی جائے تو ضمیر مرفوع متصل کی ہے۔

تو بعض صورتوں میں تاکید کا فاعل سے التباس ہوگا۔ جیسے " زید ضربنی نفسه "، میں معلوم نہیں ہوتا کہ نفس اس ترکیب میں ضربنی کا فاعل ہے یا فاعل تو ضمیر مرفوع متصل مستتر ہے۔

نفسه اس کی تاکید ہے اس التباس سے بچنے کے لئے ضمیر منفصل سے پہلے تاکید لائی جائیگی۔ جیسے " زیدٌ ضرب هو نفسه یا ضربت انت نفسک "

انما قید الضمیر بالمرفوع الخ:

مصنفؒ نے ضمیر مرفوع کہا چونکہ ضمیر منصوب یا مجرور کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ منفصل کے ساتھ تاکید کے بغیر لائی جاسکتی ہے جیسے " ضربتک نفسک مررت بک نفسک "

دوسری قید مصنفؒ نے متصل کہا کیونکہ ضمیر منفصل کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ دوسری ضمیر منفصل سے تاکید کے بغیر بھی لائی جاسکتی ہے۔ جیسے " انت نفسک قائمٌ "

(۵) پانچویں بات: واکتع واخواه اتباع الخ کا مطلب

"اجمع واکتع ابتعُ وابصع" ان چار میں اجمع اصل ہے باقی تین فرع ہیں تو یہ

تین اجمع کے تابع ہیں اور تابع اپنے متبوع پر مقدم نہیں ہوتا اس لئے یہ اجمع سے پہلے نہ آئیں گے بلکہ اجمع کے بعد آئیں گے۔ اوران کا معنی وہی ہے جو اجمع کا ہے۔

(۴) البدل تابع مقصود بما نسب الی المتبوع الخ:

توابع کی اقسام میں سے چوتھی قسم بدل ہے۔

بدل میں چار چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) بدل کی تعریف (۲) بدل کی اقسام اوران کی تعریفیں (۳) بدل اور مبدل منہ کی صورتیں۔ (۴) بدل اور مبدل منہ باعتبار ظاہر اور ضمیر کی کتنی قسمیں ہیں۔

(۱) پہلی بات: بدل کی تعریف:

بدل وہ تابع ہے جس کی طرف اس چیز کی نسبت کی گئی ہو جو اس کے متبوع کی طرف منسوب ہے اور نسبت سے مقصود یہی تابع ہو متبوع نہ ہو۔ جیسے "جاء نی زیدٌ اخوک" اس مثال میں زید کی طرف جو مجیئت کی نسبت کی گئی ہے وہی اخوک کی طرف بھی منسوب ہے اور مقصد اخوک کی طرف نسبت ہے زید کا ذکر محض تمہید کے لئے۔

وهو ای البدل انواع اربعة الخ:

(۲) دوسری بات: بدل کی اقسام: بدل کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) بدل الکل من الکل (۲) بدل البعض من الکل (۳) بدل الاشتمال (۴) بدل الغلط

(۱) بدل الکل من الکل کی تعریف:

بدل اور مبدل منہ کا مصداق اور مدلول ایک ہو۔ جیسے "جاء نی زیدٌ اخوک" زید اور اخوک سے ایک ہی شخص مراد ہے۔

(۲) بدل البعض من الکل کی تعریف:

بدل کا مدلول مبدل منہ کے مدلول کا جزء ہو۔ جیسے "ضربتُ زیدًا راسه" سر زید کا جز ہے۔

(۳)بدل الاشتمال کی تعریف:

بدل کا مدلول مبدل منہ کے متعلقات میں سے ہو یعنی اس سے کوئی تعلق رکھتا ہو۔ جیسے "سُلِبَ زید ثوبه" اس میں ثواب کا زید سے تعلق ہے کیونکہ اس کی ملک میں ہے۔

(۴)بدل البعض کی تعریف:

مبدل منہ کو غلطی سے ذکر کرنے کے بعد اس غلطی کے تدارک کے لئے بدل کو ذکر کیا جائے۔ جیسے "جاء نی زیدٌ جعفو" زید متبوع مبدل منہ ہے جعفر بدل غلط ہے متکلم کہنا چاہتا تھا "جاء نی جعفرٌ" مگر غلطی سے زبان سے نکل گیا زید اس غلطی کے تدارک کے لئے آگے کہا جعفر۔

ویکونان معرفتین ونکرتین الخ

(۳) تیسری بات: بدل اور مبدل منہ کی صورتیں

بدل اور مبدل منہ کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوں۔ جیسے قولہ تعالیٰ "جاء نی زید اخوک" وقوله تعالیٰ "اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم"

(۲) دونوں نکرہ ہوں۔ جیسے "جاء نی رجل غلام لک" وقولہ تعالیٰ "مِنْ مَّاء صَدِيْد"

(۳) مبدل منہ معرفہ بدل نکرہ۔ جیسے "بالناصية ناصية كاذبة" وقولہ تعالیٰ "يسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه"

(۴) مبدل منہ نکرہ بدل معرفہ۔ جیسے "جاء رجل غلام زيدٌ" وقولہ تعالیٰ "اِنَّک لتهدی الی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ"

تیسری صورت بدل نکرہ اور مبدل منہ معرفہ ہو تو اس وقت بدل کی صفت لانا ضروری ہے کیونکہ نسبت سے مقصود بدل ہوتا ہے اگر بدل نکرہ کی صفت نہ لائیں تو مقصود کا غیر مقصود

سے انقص ہونا لازم آئے گا۔

لیکن جب بدل نکرہ کی صفت لائی جائے گی تو نکرہ مخصصہ ہوکر معرفہ کے قریب ہوجائے گا۔ جیسے " بالناصية ناصية كاذبَةٍ" اول " ناصية "مبدل منہ معرفہ ہے دوسرا ناصیۃ بدل نکرہ ہے۔

اسی کی وجہ اس کی صفت لائی گئی کاذبۃ کے ساتھ باقی قسموں میں صفت لانا ضروری نہیں ہے۔

(۴) چوتھی بات: بدل اور مبدل منہ باعتبار ظاہر اور ضمیر کے کتنی قسمیں؟

ويكونان ظاهرَيْن ومضمرين الخ

بدل اور مبدل منہ باعتبار اسم ظاہر اور ضمیر کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) بدل اور مبدل منہ دونوں اسم ظاہر ہوں۔ جیسے " جاء نی زیدٌ اخوک"

(۲) دونوں ضمیر ہوں۔ جیسے " الزیدون لقیتم ایاهم "وقولہ تعالیٰ" فسواهن سبع سموات"

(۳) مبدل منہ اسم ظاہر ہو اور بدل ضمیر ہو۔ جیسے " ضربت زیدا ایاه "

(۴) مبدل منہ ضمیر ہو اور بدل اسم ظاہر ہو۔ جیسے " اخوک ضربته زیدًا"

بدل اگر اسم ظاہر ہو اور مبدل منہ ضمیر ہو تو اگر وہ ضمیر غائب کی ہے تو اس سے بدل الکل واقع ہوسکتا ہے۔

ضمیر متکلم اور ضمیر مخاطب سے بدل الکل واقع کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ضمیر متکلم اور ضمیر مخاطب قوی تو تب ہو جب بدل اسم ظاہر ہو اور مبدل منہ ضمیر متکلم یا ضمیر مخاطب ہو تو اس صورت میں بدل کا درجہ مبدل منہ سے کم ہوگا حالانکہ بدل مقصود ہوتا ہے۔ تو مقصود کا غیر مقصود سے ناقص ہونا لازم آئیگا اس کے باوجود کہ بدل اور مبدل منہ کا مدلول ایک ہوتا ہے۔ جیسے " ضربته زیداً"

عطف البیان تابع غیر صفة یو ضح متبوعه الخ:

توابع کی اقسام میں سے پانچویں قسم عطف البیان ہے۔

عطف البیان میں دو چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) عطف البیان کی تعریف (۲) عطف البیان اور بدل میں فرق

(۱) عطف البیان کی تعریف:

عطف بیان وہ تابع ہے کہ جو صفت تو نہ ہو مگر اپنے متبوع کی وضاحت کرے اور کسی چیز کی دو ناموں میں سے جو زیادہ مشہور نام ہوگا اس کو عطف بیان بنایا جائے گا۔ جیسے " اقسم ابو بالله ابو حفصٍ عُمر" قسم کھائی اللہ کی ابوحفص عمر نے۔ ابوحفص کنیت ہے حضرت عمرؓ کی اور عمر نام ہے تو عطف بیان عمر ہوگا اگر کسی کی کنیت نام سے زیادہ مشہور ہو تو عطف بیان کنیت ہوگا۔ جیسے " جاء نی زیدٌ ابو عمرٌ"

اس مثال میں ابوعمر کنیت ہے اور اسی سے زیادہ مشہور ہے تو عطف بیان ابوعمر ہوگا۔

کیونکہ عطف بیان میں یہ بات ضروری ہے کہ عطف بیان اپنے متبوع سے واضح ہو۔

وفَصُلُه من البدل لفظًا الخ:

(۲) دوسری بات: عطف بیان اور بدل میں فرق

بدل اور عطف بیان میں دو طرح سے فرق ہے۔ (۱) معنوی (۲) لفظی

(۱) معنوی فرق یہ ہے کہ بدل میں مقصود بنسبت تابع ہوتا ہے اور عطف بیان میں مقصود بنسبت متبوع ہوتا ہے۔

(۲) لفظی فرق " انا ابن التارک البکری بشرٍ " جیسی مثال میں واقع ہوتا ہے اس جیسی مثال سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں عطف بیان کا متبوع معرف باللام ہو جو صیغہ صفت معرف باللام کا مضاف الیہ ہو۔ جیسے " التارک البکری بشرٍ " پس اس مثال میں بشرٍ عطف بیان ہے اور البکری اس کا متبوع ہے جو کہ التارک صیغہ صفت

معرف باللام کا مضاف الیہ ہے تو اس وقت بشر کو عطف بیان بنانے میں کوئی خرابی نہیں لیکن جب ہم بشرِ کو البکری سے بدل قرار دیں تو خرابی لازم آتی ہے کیونکہ بدل کی صورت میں مبدل منہ کا جو عامل ہوتا ہے وہی بدل کا بھی ہوتا ہے تو گویا کہ وہ بدل پر مکرر ہے۔

تو التارک جو مضاف البکری کی طرف اور اس میں عامل ہے تو یہ بشرِ میں بھی عامل ہوگا اصل عبارت یوں ہوگی" انا ابن التارک بشرِ " اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ "التارک بشر الضارب زید " کی طرح ہے اور الضارب زید ناجائز ہے اس لئے ناجائز ہے کہ یہ اضافت لفظیہ ہے اور اضافت لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے مضاف سے تنوین حذف ہوتی ہے اور مضاف الیہ سے ضمیر حذف ہوتی ہے مگر " الضارب زیدِ "میں تخفیف حاصل نہیں۔

بخلاف عطف بیان کے کہ اس میں چونکہ عامل مکرر نہیں ہوتا، لہٰذا اصل عبارت " التارک بشر "نہ ہوگی بلکہ " التارک البکری" ہی رہے گی اور یہ جائز ہے کیونکہ یہ " الضارب الرجل " کی طرح ہے اور " الضارب الرجل "جائز ہے۔

ویمکن ان یراد به ماهو اعم الخ:

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے کہ اگر اس کو عطف بیان بنائیں تو اس کا حکم کچھ اور ہو اور اگر بدل بنائیں تو اس کا حکم کچھ اور ہو جیسا کہ " انا ابن التارک " میں بشر کو عطف بیان بنانا صحیح ہے اور بدل بنانا صحیح نہیں یہ صورت بہ نسبت پہلی صورت کے عام ہے کیونکہ یہ صورت منادی کو بھی شامل ہے۔مثلاً اگر " یا غلام زیدٌ وزیدًا" بالتنوین اگر کہا جائے کہ یہ عطف بیان ہے تو زید پر رفع ونصب دونوں جائز ہیں۔

رفع کی صورت میں لفظ پر حمل ہوگا اور نصب کی صورت میں منادی کے محل پر حمل ہوگا کیونکہ منادی محلاً مفعول بہ ہوتا ہے اور منصوب ہوتا ہے اور اگر " یا غلام زید "ضمہ کے ساتھ بغیر تنوین کہا جائے تو زید پر صرف رفع جائز ہے نصب ناجائز ہے۔

والمنعی الاول اظهر والثانی افید

معنی اول سے مرادوہ ترکیب ہے جس کو شارح نے والمراد بمثل انا وابن التارک البکری الخ سے بیان کیا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔اوراظہر اس واسطے سے ہے کہ اس شعر کی عبارت کو دیکھ کر آسانی سے ذہن میں وہی مطلب آتا ہے جس کو المراد سے بیان کیا ہے۔

اور ثانی افید اس لئے ہے کہ یہ صورت المراد سے جس ترکیب کو بیان کیا ہے اس کو بھی شامل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نداء والی صورت اس میں داخل ہو جائے گی۔

تمت بالخیر

اريد وصالة ويريد هجوىٰ ::::فا ترک ما اريد لما يريد

احبُّ الصالحين ولستُ منهم لعل الله يرزقنى صلاحًا

وهذا آخر ما اردنا ايرادهٗ فى هذه الخلاصة

اللهم اغفرلنا ولوالدينا ولمشائخنا ولاستاذنا ولاصحابنا ولاحبابنا ولعشائرنا ولقبائلنا ولمن سعىٰ فى اشاعتها ولمن لهٗ حق علينا ولجميع امة محمد عليه الصلوٰة والسلام برحمتک ياارحم الراحمين.